دربار نورتن اکبری

# سوانح عمری

# جلال الدین محمد اکبر شاہ شہنشاہ ہند

## مع نورتن اکبری

### جلال الدین محمد اکبر شاہ

ہمایوں کے انتقال کے بعد اکبر کی عمر صرف ۱۳ برس اور چار مہینے کی تھی ہمایوں نے اپنی ناگہانی مرگ سے کچھ ہی دن قبل اکبر کو ایک فوج کی سرکردگی میں [illegible] پنجاب کی طرف روانہ کیا تھا۔ اصل میں فوج کی کمان بیرام خاں کرتا تھا جس کو اکبر خان بابا کہتا تھا۔ خان بابا ترکی زبان میں پدر شاہ کو کہتے ہیں بیرام خاں مذہباً شیعہ تھا۔ اور ایران کا رہنے والا تھا۔ جب شاہ اسمعیل والی ایران نے [illegible] ملک فتح کرنے میں بابر کی مدد کی ہے تو بیرام خاں ایرانی فوج کا سردار مقرر کیا گیا تھا تو اکبر کی عمر اس قابل تھی کہ وہ بذات خود انتظام سلطنت کر سکتا نہ اسمیں یہ قابلیت تھی۔ اس لئے جو کچھ سیاہ سفید

رہا تھا بیرام خاں ہی کرتا تھا۔ جب شیر شاہ نے ہمایوں کو شکست دی ہے تو بیرام اپنے آقا سے جدا ہو گیا تھا اور پھر گجرات بھاگ کر سندھ میں اپنے آقا سے آملا تھا۔ ہمایوں نے ایسے وقت میں کہ جب اس سے زمانہ برگشتہ تھا ایسے ایک ایسے نمک حلال اور خیر خواہ ملازم کا خیر مقدم کیا۔ پھر بیرام خاں ہمایوں کا نفس ناطقہ ہو گیا۔ اور جو کچھ ہمایوں کرتا وہ بیرام کی مرضی کے خلاف نہ کرتا تھا۔ ہمایوں کی وفات یا شہادت کے وقت بیرام سکندر سور کی بیخ کنی میں لگا ہوا تھا کہ اتنے میں اسے خبر ملی کہ میر سلیمان والئے بدخشاں نے کابل پر قبضہ کر لیا اور تمام ان صوبوں کو دبا لیا کہ جو ہمایوں نے فتح کر لئے تھے۔ ادھر ہیموں نے ایک عظیم الشان فوج جمع کر کے یہ قصد کر لیا تھا کہ جس طرح ہو سکے سلطان عادل اور سکندر سے مل کر مغلوں کو بالکل ہندوستان سے نیست و نابود کر دیا جائے اور پھر یہاں پٹھانوں کی حکومت قائم ہو۔ آخر ایک عظیم الشان جنگ کے بعد اکبر نے ہیمو پر فتح پائی عین جنگ میں ہیمو کی آنکھ میں ایک تیر لگا اور پھر وہ گرفتار کر لیا گیا اور اکبر کے خیمہ میں لایا گیا۔ بیرام نے درخواست کی کہ حضور پہلے اپنے ہاتھ سے ایک زخم لگاویں تاکہ حضور کا لقب غازی ہو جائے۔ پھر یہ قتل کر دیا جائیگا۔ مگر اس ہونہار بچے نے انکار کیا۔ آخر بیرام نے اپنے ہاتھ سے قتل کر ڈالا۔ یہ واقعہ ۵ نومبر ۱۵۵۶ء مطابق ۲ محرم ۹۶۴ ہجری کو وقوع میں آیا۔

اس فتح کے بعد بہت جلد اکبر کا قبضہ دہلی اور آگرہ پر ہو گیا۔ ان شہروں پر قبضہ کر کے اکبر نے سکندر پر حملہ کیا اور جس قدر حصہ ملک کا دبائے بیٹھا تھا۔ سب اکبر نے فتح کر لیا اور آخر یہاں تک نوبت پہونچی کہ سکندر نے بھاگ کر قلعہ مان کوٹ میں پناہ لی یہ قلعہ سلیم شاہ نے تعمیر کرایا تھا گویا اکبری عہد سے اصلی تاریخ تیموری خاندان کی ابتدا ہوتی ہے بیرام خاں کا تمام امور سلطنت پر پورا قبضہ تھا۔ کل انٹرنل (اندرونی) اور ایکسٹرنل (بیرونی) معاملات کی باگ اسکے ہاتھ میں تھی۔ اسی سے تمام سلطنت میں ایک تہلکہ عظیم برپا ہو گیا بیرام خاں کے مغرور ارادہ اور سخت درشت مزاج نے ایک عام ناراضی پھیلا دی۔ امرا سب ناراض ہو گئے۔

جب ہیمو کو اکبر نے شکست دی تو بیرام خاں نے تردی بیگ کو جو دہلی کا گورنر تھا قتل کر ڈالا

یعنے آفتاب کی پرستش اور اپنے آپ کو سجدہ کرانا۔ مگر جب ایک غور بین نظر اکبر پر ڈالی
جاویگی تو معلوم ہوگا کہ اکبر کو ان ملاؤں نے بدنام کر دیا تھا۔ اور یہ اتہام کہ اکبر اپنے کو
سجدہ کراتا ہے۔ وہ بھی ملاؤں ہی کی شرارت تھی۔ مشرقی و مغربی شاہوں کا یہ قاعدہ
چلا آتا تھا کہ جب کوئی دربار میں داخل ہو وہ زمین بوس یا سجدہ تسلیم کرے اس سے واقعی
مذہب کو کچھ علاقہ نہیں تھا۔ مذہب کیا ہے صرف ایک مافوق قوت کو محسوس کرنا اور
ان سے قابل تعریف حاصل کرنا ہے۔

اس قسم کے ادب و آداب سلطنت کے رعب اور دبدبہ کے لئے ضروری ہوتے ہیں ان
مذہبی پیرایہ میں شہنشاہ پر اتہام لگانا مورخ کے لئے بڑی بدنامی ہے۔ جب ملا جراتی اکبر کی
اس کیفیت سے آگاہ ہوگئے تو وہ بھاگ کر عبداللہ خاں اوزبک والئے ترکستان
کے پاس چلے گئے اور وہاں انہوں نے یہ باتیں بنائیں کہ چونکہ اکبر بے دین اور دہریہ
ہوگیا ہے اسلئے میں نے اسکی سلطنت کو چھوڑ دیا اور تب عبداللہ خاں نے اکبر کو اپنے
خط میں مذہب کا اشارہ کیا۔ اکبر نے اسے جواب دیا کہ ہم پہلے ہی اسلامی مذہب
پر قائم ہیں۔ جب لوگوں نے خدا کو نہیں چھوڑا یعنے اسکا بیٹا بنا دیا اور پیغمبروں کو نہیں
چھوڑا اور ان کو جادوگر مشہور کیا پھر ہمیں اگر بے ایمان یا بے دین کہیں تو کچھ تعجب کی بات
نہیں ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اکبر اپنے اسلامی دین پر قائم تھا۔ ماں
کے مرنے پر ڈاڑھی کا منڈوا دینا یہ بات مذہب سے کچھ تعلق نہیں رکھتی تھی۔ اسمیں
ایک بہت بڑی پالیسی چھپی ہوئی تھی جسکو ملا نہیں سمجھ سکتے بقول امام فخرالدین
رازی یہ صحیح ہے کہ سلطنت کو مذہب سے کچھ علاقہ نہیں ہے اکبر نے اس کلیہ کو دکھا دیا
تھا۔ اکبر سے بہتر صلح کل شہنشاہ ہندوستان میں نہیں گذرا۔

اکبر کی اسقدر شہرت ہے کہ اگر ایک کسان کی لڑکی سے دریافت کیا جائے تو وہ بتا دیگا
کہ اکبر شہنشاہ ہند تھا چند ہندو مورخوں نے اکبر پر سخت سخت الزامات لگائے
ہیں مگر وہ قابل تحقیق ہیں۔ اور اس حیثیت کے نہیں ہیں کہ ان پر توجہ کی جائے
ہندوستان میں اکبر اور عالمگیر کی بہت شہرت ہے اور اکثر ان مورخوں کا ان سے [illegible]

شہنشاہوں کے مقابلہ کرنے میں طبع آزمائی کرنی پڑتی ہے۔ بڑی بات یہ تھی کہ اکبر پڑھا لکھا نہ تھا۔ لیکن پھر بھی فلسفیانہ مباحث سے وہ ایک فاضل اجل کی طرح دلچسپی لیتا تھا سائنس پر اسے بڑا عبور تھا۔ اور یہ عبور صرف اسکے ذہنی و اخلاقی قابلیتوں کے سبب حاصل ہو گیا تھا۔ پولیٹکل معاملات میں اسکی رائے اعلیٰ درجہ کی تھی۔ اور جو کچھ وہ پیشین گوئی کرتا تھا ضرور پوری ہوتی تھی رحیم اور عادل بہت تھا۔ انسان کی قابلیت کی قدر کرتا تھا وزیر اعظم اس نے شیخ مبارک کے لڑکے کو کر دیا تھا کہ جو نہ کہیں زادہ ... نہ شاہی خاندان میں سے تھا۔

عہدہ دینے میں ذات اور حسب نسب کی قید نہ تھی بلکہ لیاقت پوچھی جاتی تھی خواہ کسی مذہب اور فرقہ کا ہو اگر قابل نہیں ہے وہ ہرگز اعلیٰ عہدہ پر ممتاز نہ کیا جاتا تھا۔ اسکے ہاں اسکے بیٹوں سے عہدہ میں زیادہ غیر شخص تھے اس سے پولیٹکل معاملات کی سمجھ اکبر کی ظاہر ہوتی ہے۔ اکبر ہمیشہ اپنے لوگوں کو اپنا مقرب بناتا تھا کہ جو فاضل اجل ہوتے تھے اور جنہیں مختلف امور پر عبور ہوتا تھا۔

ہادری برہمن کلاسب کو ایک نظر سے دیکھتا تھا۔ اور ان آزادانہ باہمی جواب سوال بھی رخنہ انداز نہوتا تھا۔ اسکا جنازہ آگرہ میں ایک خوبصورت سنگ مرمر کی عمارت میں رکھا گیا ہے۔

# اکبر کی بیویاں

## جودہ بائی

یہ حسین جمیلہ بیگم راجہ مالدیو والئے جودھپور کی لڑکی تھی اسکے حسن و جمال کے شہرہ نے اکبر کو اسکی طرف متوجہ کیا۔ یہ بیگم جب تک سلیم نہ پیدا ہو لیا اپنے آبائی مذہب پر رہی لیکن بعد ازاں یہ دین اسلام میں شریک ہو گئی تھی۔ اس کے حسن و جمال کی شہرت تو تھی ہی مگر اسکی شاعری اور شیریں کلامی نے اکبر کو اور بھی اپنی طرف کھینچ لیا تھا۔ یہ بھاشہ زبان کی شاعر بہت اچھی تھی اور خود اپنی ہی مرضی سے اکبر سے شادی کرنا قبول کیا تھا۔ جسوقت اکبر نے اپنی نسبت بھیجی ہے تو راجہ بڑا ہی مذبذب ہوا کہ اگر صاف جواب دیتا ہوں تو خرابی پیدا ہوگی قبول کرتا ہوں

لڑکی راضی ہوئی نہوئی پھر بھی مشکل ہے سوچ سوچ کر راجہ نے اکبر کا پیغام اپنی لڑکی کو دیا
لڑکی معمولی عورتوں میں سے نہیں تھی بلکہ عقلمند اور ہوشیار تھی۔ اس نے اپنے باپ سے
اقرار کرلیا اور کہا اگر میں انکار کرتی ہوں تو اسکا نتیجہ تمہاری اور سلطنت کے لئے
اچھا نہیں ہے۔ اور اگر منظور کرلیتی ہوں۔ تو کچھ بُرائی نہیں ہے۔ بڑی دیر کے
مشورہ کے بعد راجہ نے اپنی لڑکی کی اکبر سے شادی کردی۔
اس سے پہلے اکبر کی اور کئی بیویاں تھیں۔ ان سے ہنوز کوئی نرینہ اولاد نہیں ہوئی تھی
اکبر شب و روز اسی آرزو میں رہتا تھا۔ کہ کسی طرح سے میرے ہاں کوئی بیٹا پیدا ہو۔ فرزند نرینہ
کی آرزو کوئی معمولی خواہش اور آرزو میں سے نہ تھی بلکہ اسکے تمام فلسفیانہ خیالات اور دہریوں
کی صحبتیں خیرباد ہوگئی تھیں۔ اکبر کی خواہش تھی خواہ کوئی صورت نکلے اور کوئی تدبیر ہو
کسی طرح میرے ہاں فرزند نرینہ پیدا ہو۔ اسی اثنا میں اکبر کو خبر لگی کہ آج کل ایک بزرگ
شیخ سلیم قصبۂ سیکری میں مقیم ہے وہ بہت بڑا ولی کامل ہے جس کے لئے دعا کرتا ہے
خدا اوسکی دعا قبول کرتا ہے اکبر کے مصاحب اس قسم کے تھے کہ اکبر کے دربار میں فقیروں کا دخل بھی نہ
نہ تھا۔ بلکہ فقیروں کے خیالات اور طریق پر ٹھٹے اُڑائے جاتے تھے ہاں یہ صحیح ہے کہ اہل ہنود کے
تصوف کو وقعت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ بایں ہمہ فقیروں سے خوش اعتقادی کا خیال مطلق نہ
تھا۔ جب ضرورت نے زیادہ زور ڈالا تو اب یہ خیال آنے لگا کہ شاید کی دعا سے میری مراد حاصل
ہو اور فرزند ہونے کا کانٹا کلیجہ سے نکلے پہلے اکبر نے ارادہ کیا کہ اپنے کسی معتمد خاص کو انکی
خدمت میں بھیجوں۔ لیکن آخرکار اپنی بیوی کی صلاح سے یہی مشورہ طے پایا کہ اکبر بذات خود
شیخ سلیم کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے دعائے فرزند کرائی۔ شیخ سلیم کو خبرداروں نے
پہلے ہی خبر پہنچادی تھی کہ شہنشاہ اکبر تشریف لاتے ہیں۔ یہ فقیر ایک غریب سا شخص تھا
اسے تمام عمر میں کبھی شاہوں سے تو کیا رئیسوں سے بھی ملنے کا اتفاق نہوا تھا۔ اپنی معمولی حالت
سے گذر کرتا تھا۔ جوں ہی اس نے یہ خبر سنی وہ تھرا گیا کہ شہنشاہ کیوں تشریف لاتے ہیں
خیر ہے میں نے کیا قصور کیا ہے میں تو ایک پردیسی شخص ہوں نہ مجھے کسی سلطان سے غرض
اور نہ شہنشاہ سے مطلب۔ مگر لوگوں نے یقین دلایا کہ بادشاہ حسن عقیدت کی وجہ سے

آتا ہے آپ ذرا ادب اداب اور تہذیب سے ملئے گا۔ یہ بیچارہ سیدھا سادہ شخص شہنشاہ کی آمد آمد کی خبریں سنکر وہنے لگا کہ دیکھیئے کیونکر نبڑتی ہے یہانتک کہ **اکبر شاہ** شاہ صاحب کی خدمت میں پہنچے شیخ سلیم دیکھتے ہی اُٹھ بیٹھا دوستانہ معانقہ کیا اور اپنے کھجور کے بوریئے پر بٹھایا۔ اکبر شاہ نے شاہ صاحب کے ہاتھوں پر بوسہ دیا اور ادھر ادھر کی باتیں کر کے یہ کہنے لگا میں یہاں آپکی خدمت میں صرف اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ آپ مستجاب الدعوات ہیں۔ دعا کیجئے کہ فرزند نرینہ جیتا جاگتا میرے ہاں پیدا ہو اور وہ پروان چڑھے شیخ نے دعا مانگی اور کہا بابا تیرے ہاں فرزند پیدا ہوگا مگر چند شرطیں میں کرتا ہوں۔ پہلی شرط تو یہ ہے کہ یہاں تو شاہی عمارت بنوا دے۔ دوسرے جب تیری بیگم اور فلاں بیگم کو (سلیم کی ماں کی طرف اشارہ تھا) پورے دن لگیں یعنے زمانہ حمل ختم ہو جاوے تو میرے چھوٹے سے جھونپڑے میں بچہ پیدا ہو اور اسکا نام میرے نام پر رکھا جائے اکبر نے اپنے ہاں فرزند پیدا ہونے کی بشارت میں کل ہدایتیں منظور کرلیں اور عرض کیا کہ میں عمارات کے بنانے کا تو ابھی حکم کرتا ہوں اور یہ باقیماندہ ہدایتیں وقت پر پوری کی جاویں گی۔ کئی ہزار اشرفیاں فقیر کے حکم سے مساکین اور غربا کو دی گئیں۔ فقیر نے چونکہ یہ بشارت دی تھی کہ **راجہ بالدیو** کی لڑکی کے ہاں تیری خواہش کے بموجب فرزند نرینہ پیدا ہوگا۔ اسلئے یہ خوشی بیگم صاحبہ کے لئے اکسیر کا حکم رکھتی تھی۔

اکبر کی محبت شب و روز اپنی بیگم پر زیادہ ہونے لگی خدا کی شان سے حمل ٹھہر کر پورے دن آلگے یہ بھی عہد تھا کہ اگر میرے ہاں فرزند وارث تاج و تخت پیدا ہوگا تو میں پاپیادہ **خواجہ معین الدین چشتی** کے مزار پر جاؤنگا۔ فقیر کے جھونپڑے کے آگے بچہ پیدا ہونے سے کچھ دن پہلے شاہی خیمے نصب ہوگئے۔ فقیر نے اپنا چھوٹا تمبو کھڑا کر دیا۔ اسمیں شہنشاہ بیگم اُتاری گئیں۔ الغرض سنہ ۹۷۰ ہجری چودھویں سال جلوس کو **جہانگیر** پورے چار بجے صبح کے پیدا۔ اکبر اور اکبر بیگم کی خوشی کا عالم کچھ بیان نہیں ہوسکتا۔ **سیکری** میں **سلیم** کے پیدا ہونے سے پہلے ہی شاہی عمارتیں بن گئی تھیں اکبر نے فقیر کی ہدایت کے موجب فرزند کا نام سلیم فقیر کے نام پر رکھا۔

اکبر نے اپنا دارالخلافتہ آخرکار **فتحپور سیکری** کو بنالیا۔ فتحپور سیکری سے **اجمیر** یا پیادہ حسب وعدہ **خواجہ معین الدین چشتی** کی درگاہ پر پہنچا یہ درگاہ ایک سو دو بایل سیکری سے ہے پہلے اس درگاہ کی نہ تو اتنی رونق تہی نہ اسکے گرد چاندی کا کٹہرہ تھا۔ یہ سب اکبر ہی نے جاکر بنوا دیا تھا۔ اکبر کی یہ بیگم یعنے والدہ سلیم **جلال الدین شیروانی** لکھتا ہے کہ مسلمان ہوگئی تھی مگر ویلر اپنی تاریخ ہند صفحہ ۲۹۹ میں تحریر کرتا ہے کہ جتنے راجپوت لڑکیاں اکبر کے ہاں تھیں سب مرتے دم تک اپنے آبائی مذہب پر قایم رہیں ان کی پرستش کے لئے محل میں بت وغیرہ رکھے رہتے تھے اور یہ بازادی بتوں کی پرستش کرتیں یہ بات تو کسیقدر صحیح معلوم ہوتی ہے کہ ہر رانی کے لئے پوجا کرانے یا سنسکرت پڑہانے کے لئے کئی کئی بوڑھے بوڑھے برہمن ستر ستر اسی برس کے مقرر تھے چنانچہ جو برہمن کہ سلیم کی ماں کو سنسکرت پڑھاتا تھا اسکا نام راما نند تھا۔ لیکن جلال الدین شیروانی نے لکھا ہے کہ یہ راما نند وہ برہمن تھا جس نے سلیم کے نانا کو پڑھایا تھا۔

سلیم کو کئی مہینے تک خود رانی نے دودھ پلایا سلیم کی ماں اس اُمید پر کہ میرا ہی بچہ اکبر کے بعد وارث ہند ہوگا بڑی ہوشیاری اور حفاظت سے اپنے بچہ کی پرورش کرتی تہی اور اس کو پانچ چھ مہینے کی عمر سے ادب آداب اور کچھ تہذیب کا سبق دینے لگی تھی اکبر بھی اپنے بچے سلیم کی ہر ہر بات پر جان دیتا تھا۔

چونکہ سلیم کی ماں اول نمبر کی خوبصورت اور صاحب حسن تھی اسلئے سلیم بھی چاند کا ٹکڑا پیدا ہوا۔ یہ کل مورخوں کا اتفاق ہے کہ مغلیہ خاندان میں جہانگیر سا بہتر اور کوئی بادشاہ خوبصورت نہیں ہوا۔ جلال الدین شیروانی سلیم کی ماں کی نسبت لکھتا ہے کہ یہ شراب نوشی میں اکثر مخمور رہتی تھی۔ اور کسی مورخ نے یہ نہیں لکھا ہے صرف جلال الدین شیروانی ہی تحریر کرتا ہے کہ یہ مے خوار بہت تھی۔ اکبر کی اور بیویوں کی طرف ویلر نے بھی مے خواری کا اشارہ کیا۔ مگر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔ شراب چاہے درصل اکبر کے زمانہ میں بُری نہ سمجھی جاتی ہو مگر شراب پینا یہ تو سخت بے ادبی ہے اور ہر معمولی شہر فا کے حلقوں میں بھی خلاف تہذیب ہی ثابت ہوا ہے۔ جب سلیم کی ماں کا اُستاد پنڈت مرگیا تو کچھ

زمانہ تک بیربل نے اسے تعلیم دی۔ سلیم کے بڑے ہونے پر اسنے پڑھنا پڑھانا چھوڑ دیا اور
اب اپنے بیٹے کی تعلیم و تربیت میں مصروف ہوئی۔
ہر چند اسنے کوشش کی کہ سلیم اپنے نانا کے مذہب پر آجاوے تو اکبر کے بعد یہ مغلیہ سلطنت
راجپوتوں کی سلطنت ہوجائے گی۔ مگر یہ مراد اُسکی بر نہ آئی اور سلیم بہت جلد مرزا عبدالرحیم
خانخاناں کی اتالیقی میں دیدیا گیا جو بڑا ہی پکا مسلمان تھا اور جس نے ہمیشہ اپنے مذہبی
اصول ہی مدّ نظر رکھے۔
سلیم کے پیدا ہونے سے یہ بیگم گویا ممتاز بیگموں میں سے شمار ہوتی تھی بادشاہ نے اسے
راحت جان خطاب دیا تھا۔ اس خطاب نے کچھ شہرت نہیں پائی۔ اکبر کو زیادہ محبت
اس سے یوں بھی تھی کہ بعض بعض راجپوتوں کے معاملہ میں اسے مشورہ دیا کرتی تھی اور
اپنی صائب رائے سے اندیشیوں اور تفکرات کی اکبر کی بہت کچھ مدد کرتی تھی بیربل کے
لطیفہ پر لطیفہ اور شعر پر شعر بھی بیگم کہا کرتی تھی۔ جتنی باتیں اسمیں تھی وہ ایسی ہی تہیں
کہ اکبر گھنٹہ بھر کا بیٹھتا ڈیڑہ اور دو گھنٹے بیٹھتا تھا۔ شمشیر بازی اور تیراندازی میں بھی
خوب مشاق تھی گولی سے چھوٹے چھوٹے پرند اڑا دیتی تھی۔ ایک دن ایک بلند درخت
پر دو چھوٹے چھوٹے پرند بیٹھے تھے یہ لعلوں سے بھی چھوٹے تھے اکبر نے کہا اگر تم ایک
پرند کو جو بائیں طرف بیٹھا ہے اڑا دو تو تمہاری نشانہ بازی معلوم ہو۔
سلیم کی ماں نے فوراً بندوق اُٹھالی اور اوسی پرند پر داغی جس کا نشانہ اکبر نے بتایا تھا۔
اکبر بہت خوش ہوا اور اُسیوقت بہرام خطاب دیا سلیم کی ماں نے کہا بہرام خطاب تو مردوں
کا ہوتا ہے مجھپر یہ زیب نہیں دیتا۔ اکبر نے جواب دیا تم کیا بہرام سے کم ہو مردانہ سبھی
مردوں کی صفت تو تم میں موجود ہے یہ بھی یاد رہے کہ بہرام نشانہ بازی ہی میں بہت
مشہور تھا۔ اسی لئے وہ قصہ کہانیوں میں بیان کیا جاتا ہے۔
جلال الدین شیروانی نے سلیم کی ماں کی حسن کی بڑی تعریف کی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ
ایسی خوبصورت رانی سے شادی کرکے اکبر اپنے کو خوبصورت کہا کرتا تھا۔ یہ بیگم اکبر سے
پورے گیارہ برس اور تین مہینے چھوٹی تھی یعنے ۹۵۳ھ میں پیدا ہوئی اور عین شباب

کے عالم میں اسکی شادی اکبر سے ہوئی جیساکہ اوپر ذکر ہوا ہے۔ مروت اور سخاوت میں
بے مثل تھی دیتے وقت نہ ہندو سے غرض ہوتی تھی نہ مسلمان سے اسکی کل خواصیں لونڈیاں
باندیاں چیلیاں اس سے بہت خوش تھیں اور اسپر جان نثار کرتی تھیں۔ کئی درجن تو
وہ چیلیاں تھیں کہ جو اپنے باپکے ہاں سے لیکر آئی تھی۔ اور کئی درجن شاہی خواصیں تھیں
کھانا لم ہمیشہ مسلمان ہونے کے بعد بھی ) چوکا ہی لگوا کر کھاتی رہی۔ ہاں پوشاک کا طریقہ
بالکل مسلمانی تھا۔

جودہ بائی کے انتقال کی صحیح تاریخ نہیں معلوم لیکن ہاں **نوٹ صاحب** کی تحریر سے
یہ ثابت ہوتا ہے کہ جودہ بائی **احمد نگر** کی فتح کے بعد ۱۶۰۰ء میں عالم بقا کو سدہاری
تھی جب جودہ بائی والئے **جودھپور** کی لڑکی اور **راودے سنگھ** کی بہن سلیم کی ماں
کا انتقال ہوا تو اکبر نے حکم دیا کہ تمام شہر ماتمی لباس پہنے اور نائیوں کو حکم ہوا کہ ایک ایک
راجپوت کے گھر جاکر بھدرا کیا جائے۔ یہ پالیسی اکبر کی نہ صرف مسلمانوں کو بلکہ کسیقدر
ہندوؤں کو بھی ناگوار گذری۔

بھدرا کرنے کا طریقہ یہ ہندوؤں کا ہی نہیں ہے بلکہ **مصر و یونان** میں بھی یہی طریقہ برتا
جاتا تھا۔ ان ممالک میں ہندوستان سے بھی زیادہ یہانتک غلو تھا کہ گھوڑوں کی ایال
تک اوڑا دیتے تھے۔ بھدرا کرانے سے غرض یہ ہے کہ ماتم کی پوری صورت بن جائے
نائی مختلف سرداروں کے مکان پر پہونچے کئی سرداروں نے تو کان دبا کر اپنا بھدرا
کرا لیا اور بعض نے کسی قدر بھدرا کرانے سے تامل کیا اور ایک عرضداشت شہنشاہ
کی خدمت میں بدیں مضمون بھیجی کہ حضور کے حکم سے ہمیں کسی طرح چارہ نہیں
ہے۔ لیکن ہم ہندو ہونے پر بھی اپنے بزرگوں کے مرنے پر بھدرا نہیں کریں گے
جن لوگوں نے کہ اپنا بھدرا نکرنا چاہا یہ راجپوت قوم ہرا بن سے تھے ان کے ہاں
یہ رسم نہ تھی کہ کسی کے مرنے پر اپنی مونچھوں کو اور ڈاڑھی کا صفایا بلوائیں
**راؤ بھوج** ان راجپوتوں کا سردار تھا کہیں اس نے نائی کے ساتھ سخت کلامی
کی اور اور کہا کہ ہم ہرگز اپنی ڈاڑھی مونچھ نہیں منڈانے کے ہماری جان کے ساتھ

ڈاڑھی مونچھیں ہیں۔ راؤ بھوج کا صرف اسقدر کہنا غضب ہوگیا اور لوگوں نے اس سے دوچند زیادہ اکبر کی خدمت میں عرض کیا کہ اس نے بڑی گستاخی کے کلمے کہے ہیں یہ سنتے ہی اکبر کو غصہ آگیا اور کہا کہ ابھی راؤ کے ہاتھ پاؤں باندھ لاؤ۔ یہہ راؤ بھوج نے گجرات و احمد نگر کی فتوحات میں اکبر کی بہت مدد کی تھی اور حق نمک پورا ادا کیا تھا اسے اپنی بہادری اور اپنی قوم کی یکجہتی پر بہت بڑا ناز تھا۔

جوں ہی اس نے سنا کہ اکبر نے میرے لئے یہ حکم دیا ہے وہ بگڑ گیا اور اس نے اپنے راجپوتوں سے ملکر کہا پابزنجیر جانے سے قتل ہی ہوجانا بہتر ہے۔ سب راجپوت بھڑک اوٹھے اور وہ شمشیر بدست ہوکر آمادہ بغاوت ہوگئے۔ ابوالفضل نے موقع پاکر عرض کیا کہ راجپوتوں کی یہ صورت ہے مفت میں وہ بہیر خواہ سلطنت اور نمک حلال قتل کئے جائیں گے کہ جو حضور کے پسینہ کی جگہ خون بہانے کو موجود ہیں اور جنہوں نے گجرات احمد نگر میں بڑی بڑی کارنمایاں کئے ہیں۔ بہتر ہوگا۔ اگر حضور راؤ کا قصور معاف کرکے بعزت اس کو دربار میں طلب فرمائیں۔

اکبر اپنی اسی طیش بھری آواز میں۔ میں ان سرکشوں کا ابھی بیج تک ناس کردونگا تاکہ انہیں بھی سرکشی کی قدر معلوم ہو۔ ابوالفضل۔ یہ حضور بندگان عالی درست ارشاد فرماتے ہیں لیکن سرکشی نہیں ہے۔ بلکہ وہ ناز ہے جو بچے اپنے والدین پر کرتے ہیں یوں ہی بڑی دیر تک ابوالفضل اور اکبر کی باتیں ہوتی رہیں۔ آخر بعزت اکبر دربار میں بلانے پر راضی ہوا راؤ بھوج دست بستہ حاضر ہوا اور اس نے بڑی معذرت کی قصور معاف ہوگیا۔

اکبر نے اپنی پیاری بیوی جودہ بائی کی یادگار میں ایک بہت بڑا قیمتی مقبرہ بنوایا وہ آگرہ اُس جگہ پر ہے جہاں آجکل گوروں کی قواعد ہوتی ہے مگر افسوس ہے کہ ۱۸۴۲ء کو ہمارے ہر دلعزیز کفایت شعار گورنمنٹ انگلشیہ نے اس کے قیمتی منقش تعویذوں کو اکھڑوا کر فروخت کروا ڈالا اور اسپر طرہ یہ ہوا کہ خاص قبر کی جگہ کہ سپاہیوں کی ایکسرسائیز کے لئے سرنگ لگوا کر اڑوا دیا افسوس ہے کہ گورنمنٹ کو مطلق خیال نہ آیا کہ شہنشاہ اکبر کی ممتاز بیگم اور شہنشاہ جہانگیر کی والدہ ماجدہ کی یہ بیعزتی کی گئی کہ اسکی ہڈیاں

اور خاک تک اُکھڑوا کر پھنکوا دی برخلاف اکبر کے کہ اس نے اپنے خاص دارالخلافہ میں اپنے روپیہ سے گرجا بنوا دیا۔ اور کوئی ممانعت انجیل پڑھنے کی نہ کی۔ یہ حسرت ناک واقع ہمیشہ تاریخ کے صفحہ کو سیاہ رکھیگا۔ اور اس الزام سے ہماری گورنمنٹ کبھی بری نہو گی کہ اسے شہنشاہان سابقہ کی کچھ بھی عزت کرنی نہیں آتی۔

جسوقت جودہ بائی کا انتقال ہوا ہے اکبر پر حالت غشی طاری ہو گئی اور جہانگیر نے ماتم شروع کیا اور ادھر بوڑھے اکبر پر یہ آفت۔ جہانگیر نے اپنی ماں کے چھپرکھٹ کو پکڑ لیا اور کہا اماں جان میں بھی تمہارے ساتھ دفن ہونگا۔ جہانگیر اپنی پیاری ماں کے جنازہ کے ساتھ پاپیادہ مدفن تک گیا۔ چالیس دن ہوش نہ آیا اپنا تاج سر پر سے اُتار کر پھینک اور کہا مجھے خوشی تاجپوشی کی اسوقت ہوتی کہ جب میری پیاری ماں زندہ رہتی۔ دس دن تک تمام سلطنت کی عدالتیں بند رہیں یعنے جس شہر میں خبر ہوتی گئی سرکاری حکم سے دس دس دن تک عدالتیں بند رہیں۔

مسٹر ل میں نے جودہ بائی کی بابت مفصلہ ذیل نوٹ دیا ہے۔ چونکہ یہ دلچسپ ہے اسلئے درج کیا جاتا ہے ل میں صاحب اپنی کتاب سیاحت ہند صفحہ ۱۵۹ میں تحریر فرماتے ہمیں زیبا ہے کہ جب ہم کسی غیر ملک کی خاتون یا غیر خاتون کی طرز معاشرت پر قلم اٹھا تو ہمارا فرض ہے کہ ہم اتفاقاً اسکی صفات اور معائب پر نظر ڈالیں یہ نہیں کہ متعصب مورخوں کی طرح ہماری آنکھیں صفات کی طرف سے تو اندھے ہو جائیں اور اس کے معائب ہی پر قلم فرسائی کریں۔

چونکہ مجھے جودہ بائی کی کیفیت کسیقدر تشریح کے ساتھ معلوم ہوئی ہے اسلئے میں اسکی بابت اپنی رائے ظاہر کرتا ہوں۔ جودہ بائی جسکی پرورش ایک ایسے مقام میں ہوئی تھی کہ جہاں چند سرداروں کی عصمت پناہ لڑکیوں اور مہربان ماں کے کوئی نہیں تھا۔ والد جسکی بہادری اور شجاعت کی دھاک اس زمانہ میں جانباز راجپوتوں کے حلقہ میں بڑے شوق سے بیان کیجاتی تھی۔ اپنی پیاری لڑکی جودہ بائی کو کبھی اور رانیوں کی طرح محل سے باہر نہ نکالا اور سوائے تھوڑی سی سنسکرت کے اور کچھ نہ پڑھایا۔ ماں محل

ہی میں گھوڑے پر چڑھنا نیزہ بازی کرنا نیبو کاٹنا میخ اکھیڑنا یہ نوعمری میں تعلیم کردیا گیا تھا۔ فطری طور پر اسے شاعری سے حصّہ ملا تھا۔
آٹھویں دن مشاعرہ کے طور پر اپنے محل میں ایک جلسہ کرتی تھی جسمیں تمام سرداروں کی رانیاں بلائی جاتی تھیں کھانا کھانے کے بعد اپنی غزلیں سنایا کرتی تھی۔ اسکی عادتیں سادہ اور بے لوث تھیں یہ ہمیشہ اپنی مذہبی عبادتوں میں اپنا زیادہ وقت صرف کرتی تھی۔ راجہ مالدیو اپنی بیٹی کی اس شایستہ حالت پر جان سے فدا تھا۔ وہ اس کے حکم میں ایسا چلتا تھا کہ جیسے ایک فرمانبردار نوکر سچے سرپرست آقا کی تابعداری کرتا ہے۔
جودہ بائی نے اپنی ماں کے مرنے پر ایک دردناک نظم موزوں کی تھی جو جیسی پر اثر تھی اسیقدر رولا دینے والی اور جگر کے شق کرنے والی تھی۔ اسکے ہندی اشعار جسمیں سوائے فطرت کی خوبیوں کے دکھانے اور معمولی الفاظ استعمال کرنے کے اور کچھ نہوتا تھا شہر کے اکثر بچے عورتیں گایا کرتی تھیں ہر تہوار پر اپنے ہاتھوں سے ہزار ہا روپیہ تقسیم کر دیا کرتی اور غربا مساکین یتیموں کی پرورش مربی رکھتی تھی۔
یہانتک کہ اپنی عالی طبیعتی اور غربا نوازی پر یہ عوام الناس میں اوتار مشہور ہو گئی۔ اکبر سے شادی ہونے کے پہلے اس خاتون نے ایک خواب دیکھا۔ جسکا مضمون حسب ذیل ہے اور جسکو پورے طور سے ٹلمین صاحب نے بیان کیا ہے۔
جودھ بائی نے دیکھا کہ میں اپنے محل میں بیٹھی ہوئی ہوں۔ یکایک مجھے خیال آیا کہ یہ پرند بلند پروازی کرتے پھرتے ہیں اور کس آسانی سے کرہ باد میں تیرتے پھرتے ہیں کاش مجھے بھی یہ قوت ہوتی تو میں بھی خوب آسمان کی سیر کرتی جوں ہی یہ خیال آیا فوراً جودھ بائی بھی کہیں کی کہیں پہنچی مگر آسمان پر اندھیرا اور اس تاریکی میں کیفیت سیاحی آسمان نہ آتی تھی تھوڑی دیر تک تو اسی تاریکی میں اڑتی رہی لیکن اسی اثنا میں اس نے دیکھا کہ میرے پہلو سے ایک چاند نکل کر بلندی پر چڑھنے لگا۔ رفتہ رفتہ وہ چاند بلند ہوتا ہوگیا۔ اور آخر یہانتک ہوا کہ ابھی روشنی دور دور افق پر پڑنے لگی ہنوز اس سے جودہ بائی فیضیاب ہوئی تھی کہ از خود اڑنے کی قوت جاتی رہی اور جودھ بائی نیچے آرہی۔ پھر جودھ بائی کی آنکھ کھل گئی جودھ بائی

نے اپنے باپ مالدیو کو بلا کر یہ کیفیت بیان کی اس نے بوڑھے پنڈتوں سے تعبیر پوچھی اُنہوں نے بڑی دیر کے فکر کے بعد یہ جواب دیا جو کچھ آپ کی صاحبزادی جودھ بائی نے دیکھا ہے اسکا مطلب یہ ہے کہ اسکی شادی غیر قوم سے ہوگی اور وہ شخص آپ سے عزت و رفعت میں زیادہ ہوگا۔ اور پھر اسی شخص سے رانی صاحبہ کے ہاں لڑکا پیدا ہوگا۔ جب اس کے مالک تاج و تخت ہونے کے دن آئیں گے رانی صاحبہ سُرگباشی ہوجائنگی یہ سُنکر راجہ مالدیو کو بڑا تعجب آیا نہ یہ ہوسکتا ہے کہ برہمنوں کا کہنا جھوٹ سمجھتے اور نہ یقین ہی کرنے کو دل چاہتا تھا۔ اسی تذبذب میں تھا کہ اکبر کی نسبت آئی اور شادی ہوگئی ملمین صاحب لکھتے ہیں کہ جودھ بائی اکبر کی کل رانیوں میں حسین و جمیل تھی۔ یوں تو اکبر کے محل میں صدہا رانیاں اور بیگمیں تھیں مگر جودھ بائی اپنی طرز میں نرالی تھی اسکا تبسم اسکی تیوری چڑھانی اسکا چلنا اسکا گفتگو کرنا سب تعریف کے قابل تھا۔ کئی بت مثلاً گنیش جی مہادیو جی وغیرہ کی مورتیں اسکی پرستش کے لئے محل میں رکھی رہتی تھیں اکبر کسی مذہبی بات میں دست اندازی نکرتا تھا۔ ملمین صاحب یہ بھی لکھتے ہیں کہ جتنی رسمیں مسلمانوں کے ہاں ہندوستان میں اکثر بڑھ گئی ہیں یہ سب اسی سبب سے زیادہ ہوئی ہیں کہ مسلمان شاہوں کے ہاں رانیاں تھیں وہ اپنے سب تہوار ہندوانی کیا کرتی تھیں اسلئے عوام کی عورتیں گو وہ مسلمان تھیں ہی ہندوانی رسمیں جاری ہوگئیں ہر مورخ نے اس بات کا افسوس کیا ہے کہ جودھ بائی کی انگریزی سلطنت میں افسوس ہے کہ خاک اور ہڈیاں تک اکھیڑ کر پھینکدی گئیں اور اسکی قبر کے تعویذ اوکھڑوا کر فرو کروا ڈالے حیف صد حیف۔ فقط۔

## اکبر کی دوسری بیگم

### سلیمہ سلطانہ

یہ بیگم حسن خان میواتی کی بھتیجی تھی (سلیم کی ماں سے پہلے اس سے شادی ہوئی تھی) حسن خاں میواتی بہت بڑا بہادر جاگیردار تھا۔ اسکا دارالسلطنت جوار تھا بادشاہ نے اسکی

بھتیجی کی درخواست کی۔ اس نے شہنشاہ کی درخواست منظور کرلی۔
اور بطرز احسن نکاح ہوگیا۔ یہ لڑکی سوائے میواتی بولی کے اور کچھ نہ جانتی تھی بادشاہ کو ایسی جاہل کندہ ناتراش لڑکی کی صحبت ناگوار گذری۔ مگر اسکی نوعمری اور حسن نے بادشاہ کو اپنے اوپر فریفتہ کر رکھا تھا۔ آخر بادشاہ نے عبداللہ سلطان پوری کہ جو افغانی شاہوں کے زمانہ میں شیخ الاسلامی کا خطاب رکھا تھا اور اکبر نے مخدوم الملک کا خطاب عطا کیا تھا اور جسکی عمر اسّی کے پیٹے میں پہنچ چکی تھی معلّم مقرر کیا اور تاکید کردی کہ سلیمہ سلطانہ کو علاوہ کتابی تعلیم کے ربّانی تعلیم بھی دی جائے اور تہذیب و اخلاق و آداب شاہی کے تمام قواعد سکھائے جائیں۔
عبداللہ سلطان پوری جس نے بعد ازاں اکبر پر فتویٰ کفر کا لگایا تھا سلیمہ سلطانہ کی تعلیم میں مشغول ہوا۔ یہ مُلّا بہت پُرانا اور فاضل اجل تھا۔ اس نے زمانہ کا بڑا سرد و گرم دیکھا تھا اسے طریقہ تعلیم میں بھی خوب درک تھی۔
اول سے اسنے پڑھانا شروع کیا گو یہ میواتن تھی لیکن پھر بھی ذہن اور طباع تھی چند برس میں خاصی تعلیم حاصل کرلی زبان بھی درست ہوگئی اور ادب آداب شاہی میں بھی خوب طاق ہوگئی۔ اکبر دن بدن سلیمہ سلطانہ پر فریفتہ ہوتا جاتا تھا وہ بات ہی نہیں رہی وہ زبان وہ طرز گفتگو وہ معاشرت سب میں فرق آگیا ہوتے ہوتے یہانتک نوبت پہنچی کہ مشیر السلطنت کا خطاب عطا گیا تھا۔
سلیمہ سلطانہ میں علاوہ اور خوبیوں کے ایک یہ خوبی بہت بڑی خوبی تھی کہ اپنے ہمعصر شاہی بیگمات سے وہ ربط ضبط پیدا کرلیا تھا کہ سب سلیمہ سلطانہ کی حقیقی دوست بن گئی تھیں۔
اور اس سے محبت پیش آتی تھیں خصوصاً سلیم کی ماں سے بہت کچھ ربط و ضبط تھا۔ سلیم سلیمہ سلطانہ اپنی سوتیلی ماں کے پاس آکر اکثر کھیلا کرتا تھا۔ یہانتک کہ اپنی سگی ماں سے بھی زیادہ سلیمہ سلطانہ کا آداب اور اوسکی محبت کرنے لگا۔ کئی واقعے اسکی زندگی میں بڑے نامی گذرے ہیں پہلا واقع تو یہ ہے کہ جب مولوی عبداللہ نے پوشیدہ اکبر پر فتوۂ کفر دیا اور بعد ازاں وہ معتوب ہوئے تو پریشان و خستہ عبداللہ خاں اوزبک کی

پاس چلے گئے یہاں صرف اس جرم میں کہ انہوں نے جاتے وقت کوئی اجازت نہیں لی انکا
مال و اسباب اور مکان قرق ہوگیا تھا۔ سلیمہ سلطانہ کو ایک مدت کے بعد اپنے شفیق
اوستاد کی یہ خبر معلوم ہوئی سلیمہ سلطانہ رونے لگی اور کہا کہ بڑھاپے میں کمبخت سے
ناحق جلاوطنی اختیار کی۔ اب یہ شب و روز اسی فکر میں رہنے لگی کہ کونسی تدبیر ہو کہ وہ بوڑھا
معلم پھر ہندوستان آوے اور وہی خطاب مخدوم الملک کا اسکا بحال ہو جاوے
یہ سوچ ہی رہی تھی کہ بذریعہ چند تاجروں کے ایک فدویت نامہ سلیمہ سلطانہ کی خدمت
میں آیا اسکا مضمون مفصلہ ذیل ہے مخدومہ مکرمہ معظمہ عفت پناہ سلیمہ سلطانہ میں نہیں
کہہ سکتا کہ آیا میری برگشتہ بختی کی خبر آپ نے گوش گذار فرمائی یا نہیں گو عبداللہ خاں
اوزبک والی توران کے دربار میں وقعت کی نظر سے دیکھا جاتا ہوں لیکن ہولئے ہندوستان
سے جو ہر وقت دل میں موجزن ہوتی رہتی ہے۔ میرا یہاں لحظہ لحظہ تکلیف میں گذرتا ہے گو
میں اپنی عمر کا زمانہ طے کر چکا ہوں اور میں جانتا ہوں کہ اس دار فانی میں چند روز کا مہمان
اور ہوں۔ پھر بھی مجھے یہ گوارا نہیں ہے کہ میری عمر کا سب سے چھوٹا باقیماندہ حصہ غیر ملک و غیر آب و
ہوا میں صرف ہو اور میں ترکی افغان سرحدوں کے پہاڑوں میں اپنی مٹی خراب کروں
مجھے آپ سے بہت بڑی امید ہے کہ میں اپنا مالوفہ وطن ان اشتیاق بھری آنکھوں سے دیکھونگا
اور پھر حضور شہنشاہ کی زیارت نصیب ہوگی۔ فقط

جوں ہی یہ عرضی یا فدویت نامہ سلیمہ سلطانہ کو پہنچا وہ اور بھی روئی اس نے شب کو نہایت
ادب سے کچھ تمہیدی باتیں کر کے اکبر کی خدمت میں پیش کی۔ اکبر فطری طور پر رحیم اور قدردان
تھا سلیمہ سلطانہ سے کہنے لگا کہ اگر مخدوم الملک بغیر اس عرضی بھیجنے کے بھی آ کھڑا ہوتا میں
اسکی وہی عزت کرتا کہ جیسی کیا کرتا تھا۔ یہ اسکی بڑی غلطی تھی کہ مجھ پر یہ الزام عاید کیا
اور پھر بغیر میری اجازت کے ہندوستان چھوڑ دیا۔ آیندہ اسے خیال رہے کہ پھر ایسی
بیہودہ باتیں جن سے میری ذات پر نہیں بلکہ سلطنت پر برا اثر پڑتا ہے نکرے اور اپنے
خیالات کو اپنے ہی ساتھ رکھے اور دوسروں کو اسکے مطیع ہونے پر مجبور نکرے اسکو ان
باتوں سے کیا غرض عیسیٰ بدین خود موسیٰ بدین خود جو کچھ اس نے میری نسبت اوزبک سے

کہا ہے مجھے اسکی شکایت نہیں ہے بلکہ اس خیال کی شکایت ہی جو ایسی بیجا باتوں کے کہنے کا اسکے دل میں آیا تم اسکا جواب لکھو اور بوڑھے مخدوم الملک کو بلالو۔ اس کا وہاں رہنا مجھے بھی ناگوار معلوم ہوتا ہے۔ وہ بہت بڑا فاضل ہے مگر مُلاّ نے پن نے اسے بالکل کھودیا۔ باینہمہ وہ قدر کے قابل ہے اور اسکا باہر رہنا ہمیں تکلیف دیتاہے۔
یہ کہکر اکبر چلا گیا سلیمہ سلطانہ بہت خوش تھی اکبر کی اس قدر دانی پر ہزار دل سے آفریں کرتی تھی کہ اتنے بڑے قصور کے بعد بھی اپنا شوق ملاقات ظاہر کیا اور یہ الفاظ فرمائے کہ ہمیں اسکا ہندوستان سے باہر رہنا تکلیف دیتاہے۔
سلیمہ سلطانہ نے فوراً ایک نامہ مولوی عبداللہ سلطان پوری کے نام لکھا جس کا ترجمہ مسٹر اسٹوارٹ بیکی کتاب سے درج کیا جاتاہے۔ وھو ہذا۔

## مخدوم ومکرم حضرت شیخ مولانا عبداللہ سلطانپوری

شعر ہند حکیم عین صوابست ومحض خیر + فرخندہ بخت آنکہ بسمع رضا شنید + مجھے کمال خوشی ہوئی کہ آپنے دوبارہ ہندوستان واپس آنے کا قصد کیا بڑی خوبی کی بات یہ ہے کہ نمک اکبری نے مقناطیسی کشش دکھائی اور آپ کو ادھر مایل کیا۔ جب آپ ترکی افغان تشریف لے گئے ہیں تو مجھے مدت کے بعد یہ کیفیت معلوم ہوئی۔
آپ کی تشریف بری کے اصلی اسباب تو دریافت نہیں ہیں لیکن غالباً یہ معلوم ہوتا ہی کہ آپ حضرت ظل اللہ نائب و خلیفہ حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ والہٖ ہندوستان جنات نشان کی خدمت عالی میں ناشایستہ الفاظ استعمال کرکے ان کو کسیقدر ناشاعت بھی کیا اول تو یہ آپ جیسے بزرگ سے اُمید نہیں ہے اور اگر خدانخواستہ یہ صحیح ہے کہ آپ ہی اس ناقابل امر کے فاعل ہیں تو یہ بدنامی آپ ہی تک محدود نہیں ہوسکتی بلکہ بلکہ اسکا اثر کل فرقہ علما پر ایسا ہی پڑسکتاہے کہ جیسا آپ پر۔ یہ مانا کہ دربار میں ہر مذہب کے مقتدی کو ایسی ہی آزادی ہے کہ جیسے مسلمانوں کے مقتدی کو پھر یہ کوئی خلاف اسلام امر نہیں ہے اگر یہ بھی تسلیم کرلیا جائے کہ آپ کا خیال صحیح ہے پھر بھی آپ کو مفصلہ ذیل اشعار پر عمل کرنا چاہیئے۔ اشعار

ہیچ دانی کہ شیر مرد چیست + شیر مرد زنانہ کہ دانی کیست + آنکہ با دشمنان تواند ساخت + وآنکہ با دوستاں تواند زیست + عقلمند کا بڑا ہنر یہی ہے کہ اپنے دشمنوں میں بھی دوستوں کی طرح ملکر رہے۔ میں نے حضرت بندگان عالی کی خدمت میں عرض کر دیا ہے خداوند زمین وزمان نے اپنے دریا دلی سے معاف اور اجازت فرمائی ہے کہ شیخ اپنے عہدہ پر بحال کیا گیا۔ آیندہ وہ اسباب جن سے یہ افسوس ناک واقعہ آپنے ملاحظہ کیا ہے پھر ظہور میں نہ آویں آیندہ آپ خود عالم ہیں۔ شعر۔

اے خواجہ سلام لک وزحمت ما چوں + اے معدن زیبائے ءے کان وفا چونی۔ فقط۔

جوں ہی یہ رقعہ ملا عبد اللہ نے دیکھا فوراً دہلی روانہ ہوا اور دہلی سے آگرہ آکر باریاب سلطانی ہوا۔ وہ ہی خطاب وہی تنخواہ اور سارا روپیہ قرق شدہ مکان دیدیا گیا۔ یہ بات سلیمہ سلطانہ کی بہت مشہور ہوئی اور اسکا نیک نام تمام ہندوستان میں مشہور ہوا۔ دوسری مشہور بات سلیمہ سلطانہ کی یہ ہے۔

کہ جب شاہزادہ سلیم نے سرکشی کی اور الہ آباد پر قبضہ کر لیا اور تیس لاکھ روپیہ خزانہ کا اپنے قبضہ میں کیا اور پھر بنگال کی طرف رخ کیا تو اکبر جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے دکن سے روانہ ہوا۔ اس نے آتے ہی سلیمہ سلطانہ جہانگیر کی سوتیلی ماں کو روانہ کیا کہ وہ جاکر جہانگیر کو سمجھائے اور اسے سرکشی سے باز رکھے۔ یہ کیفیت الفنسٹن صاحب بہادر نے اپنی کتاب تاریخ ہند میں لکھی ہے سلیمہ سلطانہ گو میواتن شہزادی تھی لیکن پھر بھی اعلی درجہ کی فہیم اور عقیل تھی۔ سلطنت کے ہتکنڈوں سے خوب واقف تھی یہ پانسو سواروں کو لیکر سیدھی الہ آباد آئی۔

جوں ہی جہانگیر نے یہ سنا کہ والدہ ماجدہ آتی ہیں وہ فوراً استقبال کے لئے روانہ ہوا اور بیس میل سے اپنی سوتیلی ماں کو بڑے تزک اور احتشام سے لیکر الہ آباد پہنچا۔ خوب باہم گفتگو ہوئی سلیمہ سلطانہ نے شہزادہ کو اونچ نیچ سلطنت سے آگاہ کیا اور کہا کہ مداومت ذات باری کو ہے کوئی ہمیشہ قایم رہا ہے نہ رہیگا۔ تمہیں چاہیئے کہ اپنے باپ کی رضا جوئی کرو یہی وقت ہے اگر پدر کا دل ہاتھ میں لے لیا تو یہ سلطنت

آج کو نہیں اور کچھ عرصہ کے بعد تمہاری ہے اور اگر اسکے خلاف عمل درآمد ہوا تو پھر دین و دنیا میں وہ سرخروئی جو سعادت مند بچے مہربان والدین سے حاصل کرتے ہیں مجھے ڈر ہے کہ کہیں محروم نہو جائے۔ سب سے قیمتی اور سب سے برکت والی چیز تمہارے پاس ہے اسپر تو تم قبضہ نکرو اور ادہر اودہر بھٹکتے پھرو۔ **قطعہ**

آفتاب اندرون خانہ وما + دربدر میرویم ذرہ مثال + گنج درآستین ومیگردیم + گرد ہر کوئی بہر یک مثقال + یہ اشعار جلال الدین شیروانی لکھتا ہے کہ سلیمہ سلطانہ نے اپنے سوتیلے اپنے بیٹے شہزادہ سلیم کے آگے پڑھے تھے۔ غرض یہ ہے کہ جو کچھ سلیمہ سلطانہ نے کہا منظور کرلیا اور اب اس نے سرکشی کے دائرہ سے نکلکر اطاعت اور فرمانبرداری کی راہ میں قدم زنی اختیار کی۔ پھر یہ بیگم ۱۶۱۵ء ماہ جنوری میں عالم بقا کو سدھاری۔

جہانگیر نے اپنی شفیق سوتیلی ماں کے انتقال پر خوب آہ وبکا کی۔ اسکا مقبرہ لاہور میں بے مرمت پڑا ہوا ہے۔

## اکبر کی تیسری بیگم

### مریم یا میری

اس حسینہ خاتون کی بابت ویلر نے بہت کچھ قلم فرسائی کی ہے چونکہ مریم کا بیان زیادہ دلچسپ ہے۔ اس لئے میں تفصیل کے ساتھ بیان کرنا چاہتا ہوں۔ مریم یا میری کا باپ ولیم نامی پرتگیزی تھا اور یہ لوگ گوا میں آباد تھے۔ ولیم گوا میں بہت بڑا کیتھلک مذہب کا رہنما تھا یہ لڑکی جو آیندہ اکبر شہنشاہ کی بیگم بنی نہ صرف خوبصورت نازک اندام تھی بلکہ یہ اپنے مذہب کی بڑی پاسدار اور پیچ کرتی تھی اور ہمیشہ اسے یہی خیال رہتا تھا کہ کسی طرح ہمارا مذہب پروٹسٹنٹ فرقہ سے زیادہ پھیلے اور اوسپر غالب آجائے۔ بارہ برس کی عمر میں لڑکی نے اپنی مذہبی تعلیم پورے طور سے حاصل کرلی اور اب گوا کے زنانہ مدرسہ میں جہاں یتیموں کے یتیم بچے پڑھنے آتے تھے معلمہ مقرر ہوئی۔

مریم یا میری کی عادتیں اور طریقے بالکل متعصبانہ اور مسیحانہ تھے وہ بغیر واقف کاری کے

اپنا مذہب تمام جہان سے بہتر جانتی تھی اور اسے یقین تھا کہ اگر کوئی نجات حاصل کرنا چاہتا ہے تو بغیر مسیحی ہونے کے ہرگز نہیں حاصل ہوگی مریم اپنے والدین کے ساتھ بہت سرگرمی سے مشن کی کارروائی کیا کرتی تھی۔ اور حضرت عیسیٰ کے گرد بعض وقت اس گرمی سے چکر کھاتی تھی گویا گر پڑے گی ہوتے ہوتے یہانتک نوبت پہنچی کہ مشن کی آنکھیں اکبری دربار کی طرف اُٹھنے لگیں شب و روز یہ سنتی رہتی کہ اکبر کے ہاں مذاہب کو آزادی ہے اور ہر مذہب والا اپنے سوال و جواب آزادانہ کرسکتا ہے۔ اس سننے سے ان کے دل میں کرید سے ہوئی تھی کہ ہم بھی اپنے مذہب کا اثر مغلوں پر ڈالیں اور دی گریٹ مغل یعنے اکبر کو عیسائی کریں۔

مگر یہ حیران تھی کہ ہم اس کام کو کیونکر اُٹھائیں اور اکبری دربار میں پہنچکر اپنے مذہب کی دعوت کیونکر کریں۔

ایک دن مریم کے باپ نے اپنے مشن کے کل ممبروں کو جمع کیا اور ان سے یہ مشورہ کیا کہ ہم مغل سلطنت میں اپنا مذہب پھیلانا چاہتے ہیں یہ ہمیں یقین ہے کہ اکبر دی گریٹ مغل ہمیں ہماری کارروائی پر مانع نہیں آئیگا۔

مریم کا چچا جو بہت بوڑھا تھا۔ اور اسے پٹھان سلطانوں کی بھی پوری کیفیت معلوم تھی زمانہ کا رنگ اور گرم و سرد خوب دیکھا تھا۔ اور وہ مغلوں کی طبیعت اور خونخواری کو خوب جانتا تھا۔ یہ کہنے لگا ہمارے لئے یہی بہتر ہے کہ ہم اپنی جگہ پر قایم رہیں ایسا نہو کہ ہمارے مشن کو زک ملے اور اس کے ممبر خواری اور ذلت سے قتل کر دئے جائیں۔

مریم۔ یہ نہیں ہوسکتا اے میرے معزز چچا میں معافی مانگ کر عرض کرتی ہوں۔ میں نے مختلف مسیحوں تاجروں سے اکبر اور اوس کے وزرا کے مزاج کی کیفیت بخوبی سنی ہے وہ کبھی مذہب پر ناحق کسی کو نہیں ستاتا ہمیں اُمید ہے کہ ہمارے مشن کو وہاں کامیابی ہوگی وہ زمانہ ظلم کا اب نہیں رہا۔ ہمیں ہرگز زیبا نہیں ہے کہ ہم بے بنیاد قولوں کو اپنے دل میں جگہ دیں اور اپنی کامیابی سے ہاتھ دھو کر بیٹھے رہیں۔ بوڑھے مسیحی یعنے مریم کے چچا نے اپنی لمبی ڈاڑھی والا سر ہلایا اور یہ کہنے لگا مریم میں تجھے جتا دیتا ہوں کہ تو نازک بازی کھیلنا چاہتی ہے تم ابھی بچی ہو تم نے زمانہ کیا دیکھا ہے۔ نہ ہماری گورنمنٹ ایسی قوی ہے کہ وہ ہمارا انتقام لیگی یہی ہم

اپنے خداوند کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ مغلوں کی نظر گوا پر نہیں ہے۔ ورنہ وہ بہت آسانی سے تاخت وتاراج کر سکتے ہیں تمہیں اختیار ہے میری رائے تو یہ ہرگز نہیں ہے آگے تم جانو اور تمہارا کام۔

نتیجہ اس انجمن کا یہ ہوا کہ ایک سفارت بہت ادب سے اکبر کے دربار میں بھیجی جائے اور اس سے اجازت لیکر آگرہ میں ایک گرجا بنوایا جائے اگر اکبر نے آگرہ میں گرجا بنانے کی اجازت دیدی تو تو ہمیں کامیابی ہونے کی کوئی بات ہی نہیں ہے، جو اس نے اجازت نہیں دی تو ہم واپس چلے آئیں گے سب نے مریم یا میری کو تجویز کیا جسکی عمر اٹھارہ برس کی تھی جسکے جوبن کا بڑے جوش وخروش سے ابھار تھا۔ اس کی دولت انگیز بل کھاتی ہوئی زلفیں اسکے دونوں کندھوں پر پڑی ہوئی بل کھا رہی تھیں اور اسکے سڈول ڈھلے ہوئے اعضا اور سفید ملاحت آمیز رنگ سے حسن کی بانگی دکھا رہا تھا جلال الدین شیروانی نے اس کے خط وخال کا نقشہ کھینچا ہے جو مفصلہ ذیل درج کیا جاتا ہے۔

یہ مسیحی خاتون کہ جو مسیحی مشن کے ساتھ گوا سے آگرہ آئی اور اکبر کی یہ بیگم بن کر محل میں داخل ہوئی چھریرے جسم اور لمبے قد کی لڑکی تھی ہزار ہا سیاہی مایل بھورے حلقے اس کی پشت پر بل کھا رہے تھے جنہوں نے اس مسیحی خاتون کے حسن کو اور بھی دوبالا کر دیا تھا اسکی لاثانی خوبی اسکی بے مثال رعنائی اسکی لاجواب دلیرانہ ہیئت فطرت کے پورے کمال کا فوٹو اتاری تھی۔ اسکی نامہوٹ نیر آنکھوں سے ایسے چمکتے ہوئے نورانی چمکارے نکل رہے تھے کہ جیسے آسمان کے گہرے نیلی چادر سے چاند کی روشن شعائیں پرتو فگن ہوتی ہیں۔ اس خوبی کے ساتھ جسوقت وہ ارغوانی لبوں کو جنبش دیتی تھی اور اوسمیں سے اس کے سفید موتیوں کی طرح دانت چمکتے تھے تو ایک بجلی سی کوند جاتی تھی۔

یہ نوجوان جمیل لڑکی امیرانہ سیاہ پوشاک پہنکر اکبر کے دربار میں حاضر ہوئی۔ اسکی وضع اور صورت سے پایا جاتا تھا کہ یا تو کسی رئیس اعظم کی بیٹی ہے یا شہزادی ہے مگر صرف ایک صلیب کا نشان جو اس کے سینہ پر بنا ہوا تھا اس سے یہ پایا جاتا تھا کہ یہ کسی پادری کی بیٹی ہے۔

اس حسینہ خاتون کی انگلیوں میں کسی جواہر کی انگوٹھی اور چھلے کے اوپر نیچے جو دو پہن

رہی تھی شادی کی انگشتری نہ تھی اور نہ اسکی ہیئت مجموعی سے یہ پایا جاتا تھا کہ ابھی دنیا کی کدورت اور الائشوں کا دھبہ اس کے دامن پر نہیں لگا تھا اور اس کے مقدس اور پاک روح میں کسی قسم کی فکر کی تہہ زاید نہیں ہوئی تھی۔ فقط۔ یہانتک جلال الدین شبیر دانی نے اس کے حسن وجمال کا نقشہ کھینچا ہے۔

قصہ مختصر یہ ہے کہ مریم کہ اس سج دہج سے اکبری پرشوکت دربار میں پہنچی۔ ویلز کی بی زبان اس امر کی شاہد ہے کہ مسیحوں نے اس نوجوان خاتون کو اکبر کے دربار میں صرف اس غرض سے بھیجا تھا کہ اکبر کی اس پر نگاہ پڑ جائے۔ اور یہ محل میں داخل ہو جائے۔ پھر ہم آسانی سے آگرہ میں گرجا بنائیں گے اور کیا عجب ہے جو اکبر مسیحی بھی ہو جائے۔

ان عیسائیوں کا خیال صحیح نکلا۔ جسوقت یہ خاتون حاضر دربار ہوئی ہے۔ اور اس نے شاہی ادب سے سلام مجرا کیا ہے اور پھر یہ اپنی پتلی کمر کو جھکا کر دونوں ہاتھ باندھ کر کھڑی ہوئی ہی اکبر خیال سے زیادہ اسپر فریفتہ ہو گیا۔ اور کچھ دیر تک تیز تیز نظروں سے ملاحظہ کیا۔ مریم آگے بڑھی اور اس نے دست بستہ یہ عرض کیا۔

حضور کو غالباً معلوم ہوگا کہ میں بندگان عالی کی خدمت میں کیوں حاضر ہوئی ہوں صرف غرض یہ ہے کہ میں بندگان عالی کی خدمت میں عرض کر کے ایک گرجا بنوانے کی اجازت لوں میں گویا گوا کے تمام مسیحوں کی طرف سے وکیل بنکر آئی ہوں میں عرض کرتی ہوں کہ حضور کے مبارک زمانہ میں ہر مذہب کو اسلام کی طرح آزادی دی گئی ہے یہ دیکھکر ہم گوا کے مسیحوں کو بھی ہمت ہوئی کہ ہم بھی مذہب کو پیش کریں اور بصد لجاجت عرض کریں کہ جو استحقاق اور کو ملا ہے وہ ہی ہمارے مذہب کو ملنا چاہیئے۔ یہ برجستہ تقریر اور آزادانہ عرضداشت سنکر اکبر بھی مسیحی خاتون پر لٹو ہو گیا۔ اور اس نے مسکرا کر جواب دیا۔

یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ مذہب مسیحی۔ جس سے ابتک اسلام سے چولی دامن کا ساتھ چلا آتا ہے کلہ بکلہ بحث کے معرکہ میں لڑے اور اپنی صداقت کی دلیلیں دے۔ اس دن تو صرف اسی قدر باتیں ہوئیں مسیحی خاتون کی حفاظت کے لئے فوراً ایک گارڈ آ گیا۔ اور تمام مہمان نوازی کے سامان اشارہ ہی سے کر دئے گئے۔ تین چار دن کے بعد اکبر نے حکیم ہمام گیلانی کے

ذریعہ سے مریم یا میری کے پاس پیغام بھیجا کہ اگر تم شادی کرنا چاہتی ہو تو اکبر پسند کرتا ہے مریم پہلے ہی سے اس کی راہ دیکھ رہی تھی فوراً راضی ہو گئی۔ لیکن ساتھ ہی اسکے ذریعہ اپنے مذہب کی وقعت جتانے کے لئے یہ کہا کہ مجھے ملکہ اکبر بننا فخر ہے۔ لیکن ساتھ ہی اسکے یہ بات ہوگی کہ میں اپنے ارکان مذہب پورے طور پر آزادی سے ادا کرونگی اور میرے کسی مذہبی فعل میں اکبر دست اندازی نکرے گا۔

یہ شرط فوراً منظور کرلی گئی اور مریم سے اکبر کا نکاح ہو گیا۔ نکاح ہونے کے بعد جلال الدین شیروانی نے اس خط کو نقل کیا ہے کہ جو مریم نے اپنے باپ کو بھیجا ہے چونکہ وہ دلچسپ ہے اس لئے درج کیا جاتا ہے۔ وہو ہذا۔

میرے معزز اور قابل احترام باپا۔ خداوند عیسیٰ مسیح کا شکر ہے کہ ہمیں اُمید سے زیادہ کامیابی حاصل ہوئی۔ میری آزادانہ اور عالمانہ تقریر اور خوش وضعی پر اکبر دل سے فریفتہ ہو گیا اور اس نے اپنے خاص ہمام فنیر لشیئن (طبیب) کے ذریعہ سے پیغام شادی دیا۔ چونکہ میں نے اکبر کو اپنے اوپر فریفتہ دیکھا اور یہ سمجھ لیا کہ میری شادی مسیحی مشن کے لئے اچھے اور قیمتی نتایج پیدا کریگی میں نے بخوشی منظور کر لیا اور اب میں شہنشاہ بیگم بن گئی محل میں داخل ہوتے ہی مجھے مریم زمانی بیگم کا خطاب ملا اور کئی لاکھ روپیہ کے جواہرات دوسرے دن خواجہ سرا کشتیوں میں لیکر میری خدمت میں حاضر ہوئے چونکہ میں گہنے کی عادی نہیں ہوں مجھے خوف معلوم ہوا میں نے خواجہ سے یہ دریافت کیا کہ ہر بیگم کے لئے یہ لازمی امر ہے کہ وزنی قیمتی زیور ضرور پہنے اس نے بڑی تعظیم اور ادب سے یہ عرض کیا نہیں بیگم صاحبہ یہ کچھ ضرور نہیں شاہوں کے ہاں دستور ہے کہ جب کوئی باعصمت خاتون داخل محل ہوتی ہو تو اُسکو بطور تحفہ کے شاہ کی طرف سے یہ دیا جاتا ہے حضور بخوشی قبول فرماویں اور اسمیں آپکو اختیار ہے چاہے اپنے پاس رکھیں چاہے نہیں چاہے کسی کو بخشدیں۔ یہ سنکر میں نے اسکا شکریہ ادا کیا۔ اور اب میں بآزادی اپنی زندگی بسر کر رہی ہوں۔ اکبر پانچویں چھٹے میرے پاس دو تین گھنٹے کے لئے آتا ہے اور بہت مہربان ہے مجھے امید ہے کہ میں بہت جلد پادری ریڈ الیف یار دلیف کو ملا آپکو ملواتی ہوں آپ تیار رہیگا۔ عنقریب شاہی گارڈ روانہ ہوگا جو آپ کو بڑی عزت سے گوا

آگرہ پہنچا دیگا۔ اور جو کچھ ہوگا وقتاً فوقتاً عرض کرتی رہوں گی۔ فقط۔

جلال الدین فیروانی لکھتا ہے کہ جوں ہی یہ خبر ولیم کو پہنچی وہ مارے خوشی کے کھل گیا اور اُسی اپنے خداوند عیسیٰ مسیح کی لکڑی کی تصویر کے گرد طواف کرنے کا اچھا موقع ملا۔ ولیم نے مع اپنی بیوی اور کل کنبہ والوں کے کاٹ کی صورت کے گرد چکر لگایا اور خوب نیاز نذر چڑھائی گئی۔ ولیم نے اپنے کنبے والوں کی دعوت کی اور گوا میں ایک دھوم مچگئی کہ مریم شہنشاہ بیگم بنگئی اب مسیحی مذہب خوب ترقی کریگا۔ ایک مورخ یہ بھی لکھتا ہے کہ مریم گو پادری کی بیٹی تھی لیکن شاہی خاندان میں ہونے کی وجہ سے اسی کا باپ گورنر گوا تھا۔ چند روز کے بعد بقول ولیر صاحب مختصر تاریخ صفحہ ۷۵ میں یہ لکھا ہوا ہے کہ یہ خط جو اکبر نے گورنر مریم کے باپ کے پاس بھیجا تھا مریم ہی کی کارگذاری تھی چونکہ وہ خط مختلف مورخوں نے نقل کیا ہے اور اسکی اور اوسکی عبارت نہایت دلچسپ اور مطلب خیز ہے اسلئے ہم بعینہ درج کرنا مناسب جانتے ہیں یہ وہ خط ہے جو مریم کی تحریک سے ولیم کو بھیجا گیا تھا۔ وہو ہذا۔

معاوضہ حضرت شاہنشاہی بہ پادری ولیم گورنر گوا

سپاس بے قیاس ختار بارگاہ حقیقی کہ مملکتش مصئون از صدمۂ زدل است و سلطنتش مامون از لطمۂ انتقال فضائے بدیع تمامی زمین و آسمان گوشہ ایست از اقطاع ابداع او و بیدائے لامکان قطعہ ایست از جہان اختراع اُو مدبرے کہ انتظام عالم و انتظام بنی آدم بدستیاری عقل بادشاہان عدالت پیشہ و بامردی عدل شہریاران نصفت اندیشہ منوط و مربوط ساختہ۔ مقدرے کہ بروابط محبت و ضابطہ مودت طنطنۂ ایتلاف و التیام و دیدبۂ امتزاج و استیناس در افراد کائنات و انواع مکونات انداختہ و درود وثنا محدود و ہدیہ ارواح طیبۂ معاشر انبیا و رسل علی نبینا علیہم الصلواۃ والسلام اند کہ سالکان اصوب طریق و ہادیان اصلح سبل اند عموماً و خصوصاً بر ضمائر ارباب بصائر کہ مقتبس از انوار ولایت و متجلی از اشعۂ حکمت و درایت اند مخفی محتجب نیست کہ دریں عالم ناسوت کہ مرات عالم لاہوت ست ہیچ چیزے بر محبت فائق نیست و ہیچ امرے چوں مودت لایق نے۔ چہ مدار صلاح عالم و نظام کون را بر تودد و تالف نہادہ اند و در ہر دلے کہ آفتاب محبت پرتو انداختہ و جہان جان دعالم روح و روان را از ظلمت بشری مے پرداز د خصوصاً محبتے کہ در سلاطین

که صلاح ایں طائفه صلاح عالم و عالمیانست متحقق شود بناءً علی ہذا ہمگی ہمت عالی ہمت بآن مصروف
ست که روابط و محبت و وداد و ضوابط و ارتباط و اتحاد میان عجمه لعہد موکد و مشید باشد۔
سیما در طائفه علیه ملوک که بمزید عنایت الٰہی شرف اختصاص دارند خصوصاً بآن سلطنت مآب
خلافت قباب مورد تجلیات مغلوی محی مراسم عیسوی الغنے عن التعریف والتوصیف که تعوق نسبت
وساطت ہمسائگی محقق است و رعایت حقوق جوار و محبت بآن عمدهٔ سلاطین نامدار محقق و
موکد و از اشرف مقتضیات محبت جانی و اکمل موجبات مودت روحانی تالف صوری و
تانس ظاہریست چوں بواسط و موانع عظمی و بواعث کبریٰ احراز مشاہده جسمانی در پرده
توقف مے ماند۔ امرے که خلف آن شرف تواند شد ارسال رسل و رسائل ست که ارباب
فطنت و ذکا آنرا قائم مقام و مکالمه نائب مناب مجادیه میدانند که علی التواتر والتوالی ارباب رسل و
رسائل از جانبین مفتوح باشد و سوانح احوال و لطائف آمال از طرفین مبیّن و منشرح گردد بر ضمیر منیر
واضح خواہد بود که باتفاق جمیع ارباب ملل و نحل و اصحاب دین و دول نشاتین دینی و دنیوی و
عالم صوری و معنوی مشخص و معیّن و مدلل و مبرہن است که نشار صوری دنیوی در برابر نشار
معنوی اخروی چه قدر دارد و عقلائے روزگار و کبرائے ہر دیار و تکمیل ایں حالت فانیه تذ
ظاہریه چه قدر مساعی جمیله و دواعی جزیله باقدام میرسانند و خلاصهٔ اعمار و زبدهٔ اوقات را در
استحصال مقاصد صوریه بچه طریق صرف میسازند و در مستلذات سریع الزوال و مشتہیات
قریب الانتقال چگونه مضمحل و منہمک اند الله تعالیٰ مارا بمحض عنایت ازلی و ہدایت لم یزلی
خود با چندیں مشاغل و عوائق و روابط و علائق ظاہری و ر دطلب خود کرامت فرموده و بانکه مبالک
چندیں سلاطین عالیمقدار را در خورهٔ را در تصرف ما در آورده بمقتضائے عقل در انتظام التیام
ایں ممالک بر نہجیکه جمیع رعایا و کافه برایه مرفه الحال و منشرح البال باشند سعی باید نمود
و توجه بریں باید داشت اما الحمد لله که استرخاء الٰہی و شوق ماہو الحق سرہمه مطالب و فاتحه
ہمه مبارک ست و چوں اکثر ابنائے روزگار اسیر ربقهٔ تقلید اند ہر که در طریقهٔ آبا و اجداد و
اقارب معارف مشاہده ہی نماید بے آنکه تامل در دلائل و براہین نماید آں کیش که در او اہل
آں نشو و نما یافته اختیار می کند و از شرف تحقیق که علت غائی ایجاد عقل است محروم ماند

برابرآں دراوقات طیبہ باداناپان جمیع ادیان صحبت داشتہ از کلمات نفیسہ و مقاصد عالیہ ہر کدام مستقید و مستفیض مے شویم چوں بنائن اسند و لغائرلغات درمیان است لائق آنکہ بار اس طور کسے کہ آں مطالب عالیہ باحسن عبارت خاطرنشان کند مسرور سازند و لسمع ہمایوں رسیدہ کہ کتب سماوی مثل توریت و انجیل و زبور بزبان عربی و فارسی درآوردہ آند اگرآں کتب مترجم یا غیرآن کہ نفع آں عام و فایدہ آں تمام باشد درآں ولایت بودہ باشد فرستند درینولا بجہت تاکید مراسم وداد و تشنید میانی اتحاد سیادت مآب فضایل اکتساب صادق العقیدت والاخلاص سید مظفر راکہ بمزید التفات وعنایت سرفراز و مخصوص بودہ فرستادہ سخنے چند بالمشافہ خواہد گفت اعتماد نمایند ہموارہ ابواب مکاتبات و مراسلات رامفتوح دارند والسلام علے من التبع الہدیٰ۔ فقط۔

یہ خط بماہ ربیع الاول ۹۹۰ھ ہجری میں لکھا گیا۔ مظفر یہ خط لیکر سید ھاگوا پہنچا اور پادری ولیم گورنر گوا کو دیا۔ جوں ہی ولیم نے یہ شاہی معاوضہ دیکھا فوراً کھڑا ہوگیا اور تین سلام کرکے اس خط کو لے لیا۔ یہ خوشی ایک معمولی شے نہ تھی۔ بلکہ ایسی ممتاز خوشی تھی کہ جس نے نہ صرف گورنر کو خوش کیا بلکہ تمام قوم کو فخر بخشا۔ گورنر نے تمام کیتھلک مذہب کے مسیحوں کو مدعو کیا اور نہایت تعظیم و تکریم سے یہ خط ترجمہ کرکے سنایا گیا۔ یہ خط سنکر چاروں طرف صدا ئے مبارکبادی بلند ہوگئیں سب مسیح والے کاغذ پر بوسہ دینے کے لئے آگے بڑھے اور اُنہوں نے سجدے نما سلام کرکے بوسہ دیئے اور اولٹے قدموں ہٹکر چلے گئے مظفر کی اسقدر خاطر داری کی کہ اگر اکبر آتا تو اس سے زیادہ شاید نکر سکتے۔

کئی دن مظفر کو مہمان رکھا اور پھر یہاں ولیم نے پادری ریڈ ایف کو جسے ابوالفضل نے ردیف رہ لکھا ہے کئی نسخے الہامی کتابوں کے دیکر روانہ کیا۔

پادری ردیف ایک بڑا عالم اور فاضل شخص تھا جوں ہی وہ اکبر کے دربار میں آیا اور اس نے مقدس بائبل پیش کی تو بقول دیگر مورخ مختصر تاریخ ہند صفحہ ۷ ۔ ۵ کے اکبر نے ان الہامی کتابوں کو صرف تعظیم کے لئے اپنے سرپر رکھ لیا۔ دوبارہ انہوں نے حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم کی مورتیں پیش کیں اکبر نے انپر بھی احتراماً بوسے دیئے اور ان مجسم تصویروں کی بڑی عزت

کی۔ اب ویلر سوال کرتا ہے کہ جب اکبر اناجیل اور حضرت مسیح اور بیوی مریم کی تصاویر
یوں پیش آیا کیا کہ یہ بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ مریم کا ٹرہا یا نہیں ہوا تھا اور مریم کی تعلیم کا اثر نہ
تھا۔ نہیں یہ مریم ہی کی تعلیم کا اثر تھا اور مریم ہی نے الہامی کتب اور حضرت مسیح و مریم کی
تصویروں کی پرستش سکھائی تھی۔

میرے خیال میں یہ محض غلط ہے۔ ہرگز مریم کو اتبک کوئی ایسا موقع نہیں ملا تھا کہ وہ
اکبر کو اپنے مذہب کی تعلیم کرتی اور اُسکو اس بات پر آمادہ کرتی کہ وہ مسیحی کتب سماوی کی تعظیم و
تکریم کرے وہ خود ایک صلح کل شخص تھا۔ اسکی فطری عادت تھی کہ وہ ہر مذہب کی تعظیم کیا کرتا تھا
اور اسکے ہر آرتھوڈاکس یعنے راسخ الاعتقاد مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اناجیل کی ایسی
ہی تعظیم و تکریم کرے کہ جیسے وہ اپنی الہامی کتاب کی کرتے ہیں؟!

ویلر لکھتا ہے کہ جب پادری ردلیف آگرہ پہنچا۔ تو اُس دن تمام شب بحث رہی اور خوب ردّو بدل
ہوتا رہا۔ پھر آگے جاکر ویلر لکھتا ہے کہ مسیحی مدت تک یہی سمجھتے رہے کہ ہم دی گریٹ
مغل کو مسیحی بنالیں گے۔ مگر یہ انکی نری خام خیالی تھی لطف یہ تھا کہ اس بحث
میں مریم بھی موجود تھی جو ایک کمرہ میں علیحدہ بیٹھی ہوئی یہ بحث گوش گزار رہی تھی بحث
عالمانہ اور دلچسپ تھی ابوالفضل گویا ثالث بالخیر تجویز ہوا تھا۔ رات بھر میں کچھ فیصلہ نہیں
ہوا۔ بقول مسٹر ویلر اکبر نے پادریوں کو اپنے محل کے احاطہ میں ٹھہرایا۔ اکبر نے صرف مریم کی
سفارش پر آگرہ میں نہ صرف گرجا ہی بنوادیا بلکہ حضرت عیسیٰ کی مجسم تصویر کے آگے ڈنڈوت
کی پھر اس نے اپنے پرائم منسٹر ابوالفضل کو حکم کیا کہ بہت جلد اناجیل کا ترجمہ فارسی میں کرو
ویلر نے اس امر پر بڑا زور دیا ہے کہ اگر کچھ عرصہ کیلئے اکبر تو ضرور ہی صاف دل کا عیسائی ہوگیا
تھا۔ بلکہ وہ یہ بھی لکھتا ہے کہ مسلمان مورخوں جنہوں نے اکبر کی سوانح عمری لکھی ہیں
اس امر کی شکایت کرتے ہیں کہ اکبر نے جن پادریوں کو دربار میں دخل دیا ہے انہیں اکبر کے
مسیحی کرنے کا خوب موقع ملا۔ وہ ہمیشہ اسی کوشش میں رہے کہ اکبر کو عیسائی بنالیں
یہ سارا مریم کا طفیل تھا کہ جو دن بدن اثر اکبر کے دل میں بڑھاتی جاتی تھی۔" یہ ساری باتیں
ویلر نے سخت تعصب سے نقل کی ہیں۔ اس کی جتنی روائتیں ہیں سب بے بنیاد ہیں

وہ لکھتا ہے کہ سوائے عالمگیر کے سب بادشاہ مسیحی ہوئے اور مسیحی ہونے کی شہادت یہ پیش کرتا ہے کہ وہ سب شراب پیتے تھے۔ حالانکہ وہ یہ نہیں جانتا کہ شراب پینے سے آدمی اسلام سے نہیں نکل جاتا۔ جب شراب پی کر نماز پڑھنا (لیکن زیادہ نشہ نہو) درست ہے تو یہ شراب سے بیدینی کیونکر ہو سکتا ہے۔ خیر اس مذہبی بحث سے کچھ غرض نہیں اب ہم مریم کی مختصر سوانح عمری لکھتے ہیں۔ جس سے یہ معلوم ہوگا کہ مسیحی خاتون کی محل میں جا کر کیا طرز معاشرت رہی تھی اور وہ اکبر سے کس طرح پیش آتی تھی یا اکبر کی توجہ اسپر کس درجہ تک مبذول رہتی تھی۔

پادری روڈلیف کے آنے پر مریم نے اکبر سے عرض کرکے یہ حکم لے لیا تھا کہ پادری روڈلیف میری اجازت پر جب میں بلاؤں میرے محل میں بازادی آجایا کرے اکبر نے فوراً اجازت دیدی۔ پادری روڈلیف تفسیر اور فقہ مسیحی کا سبق پڑھانے علی الصباح مریم کے پاس آیا کرتا تھا اور گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ تعلیم دیکر چلا جاتا تھا۔

مریم نے آٹھویں دن گرجا میں جانے کی بھی اجازت لیلی تھی جہاں وہ محافہ میں بازادی جاکر بیٹھتی اور اپنے پادری روڈلیف کی پریچ سنتی اس مباحثہ میں جو پادری روڈلیف سے ہوا کرتا تھا چلمن کے پیچھے بیٹھکر ساری بحث کو گوش گزار کرتی۔ ایک دن اکبر شب کو اپنی مسیحی خاتون مریم زمانی بیگم کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور اس سے ایک دن پہلے پادری روڈلیف اور سید عبداللہ کا مناظرہ بھی ہو چکا تھا۔ مریم نے ادب سے دریافت کیا کہ کل کے مناظرہ کا نتیجہ کیا ہوا

اکبر۔ کل تو پادری روڈلیف کو جواب نہ آیا اور وہ خاموش ہو رہے ہاں انہوں نے آٹھ دن کی مہلت مانگی ہے۔

مریم۔ متعجب ہو کر۔ حضور وہ کونسا اعتراض تھا۔ جس کا جواب پادری روڈلیف جیسا فاضل اجل نہ دے سکا۔

اکبر مجھے اس اعتراض کا زیادہ خیال نہیں ہے۔ لیکن ہاں اسقدر کہہ سکتا ہوں کہ انجیل مقدس کی صحت وغیر صحت پر بحث تھی سید عبداللہ نے یہ کہا تھا کہ آپ کوئی ایسا ثبوت دیجیے جس سے یہ معلوم ہو کہ اس مجلد کتاب میں وہ ہی ہدایتیں اور ۱۲ قوال درج ہیں جو

حضرت عیسیٰ نے فرمائے تھے گو پادری صاحب نے اسکی بابت بہت کچھ کہا۔ لیکن عبداللہ نے اعتراضوں کی ایسی بھرمار کر دی کہ پادری صاحب ساکت ہوئے پھر سوائے آٹھ دن کی مہلت لینے کے اور کچھ بن نہ آیا۔ یہ سنکر مریم کسی قدر خفیف ہو کر چپکی ہو رہی مریم کی اصل میں کوشش یہ تھی کہ اکبر کرسٹان ہو جائے تو میں اعلان دلوا دوں کہ اکبر فلاں تاریخ سے عیسائی ہوا آج سے یہ گورنمنٹ مسیحی گورنمنٹ کہلائے گی یہ بات ہی الٹی پڑگئی۔ مریم نے اس کا مسلم جواب بہتیرا سوچا۔ لیکن اسکی سمجھ میں نہ آیا۔ دوسرے دن پادری ردلیف کو بلا کر ساری کیفیت دریافت کی۔

جو کچھ اکبر نے بیان کیا تھا۔ وہی اس نے بھی دہورا دیا۔ مریم نے دیکھا کہ پادری ردلیف کے منھ پر ہوائیاں اُڑ رہی ہیں اور جوں جوں دن گزرتے جاتے ہیں۔ ان کی جان آدھی ہوئی چلی جاتی ہے۔

ردلیف۔ پیاری مریم کوئی مسلم جواب اسکا ہو بھی سکتا ہے یا نہیں۔ مریم اس اعتراض پر پہلے ہی سے غور کر رہی تھی۔ سوچتے سوچتے یہ کہا کہ اگر اسکا جواب ہو سکتا ہے تو صرف یہ ہے کہ جب مخالف آپ سے یہ سوال کرے تو آپ اسکے جواب میں یہ کہدیجئے گا۔ کہ اگر یہ اصلی انجیل نہیں ہے تو پھر آپ اصلی انجیل پیش کیجئے۔ گو یہ جواب ایسا نہیں ہے کہ ساکت کر دے۔ لیکن خواہ مخواہ جھگڑا کرنے کے لئے خاصہ جواب ہے۔ یہ سُنکر پادری ردلیف بہت خوش ہوا اور اسے یہ جواب اچھا معلوم ہوا۔ ہمیں یہاں مذہبی بحث کے درج کرنے سے غرض نہیں ہے بلکہ مریم کی تیز فہمی دکھانی ہے۔ جس سے ناظر اندازہ کر سکتا ہے کہ یہ لڑکی جو اپنی قوم کی رسی پر پیرنٹیٹو بنکر آئی تھی صرف خوبصورت ہی نہ تھی بلکہ ہر طرح کے لایق و فایق اور عالم تھی۔ یہ ایک مشہور بات ہے کہ اس نے ایک تصویر سونے کی حضرت عیسیٰ کی بنوائی تھی۔ تصویر میں تو اسقدر لاگت نہ آئی تھی۔ لیکن اسمیں چار لاکھ روپیہ کا جواہر جڑوایا گیا تھا۔ یہ مجسم تصویر بڑے دالان میں رکھی گئی تھی۔ اسکی حفاظت کے لئے آٹھ قلماقانیاں مقرر کی گئی تھیں جو ہر وقت علاوہ حفاظت کے اس کی صفائی بھی کیا کرتی تھیں۔ روز مرّہ صبح کو اُٹھکر یہ اس تصویر کے آگے ڈنڈوت کیا کرتی اور

جاشت تک انجیل کھولے ہوئے پڑھتی رہتی اگر پادری ردلیف آگیا تواس سے تعلیم حاصل کی اور نہیں اپنی کتاب کا خود ہی مطالعہ کرتی۔ جلال الدین شروانی نے لکھا ہے کہ ایک دن جہانگیر کھیلتا ہوا آنکلا مریم اسوقت نہ تھی۔

جہانگیر سیدھا حضرت عیسیٰ کے پاس گیا۔ اور قلماقنیوں سے دریافت کیاکہ یہ کیا چیز ہے قلماقنیاں۔ حضور شہزادہ عالم یہ حضرت عیسی ہیں۔ یہ سنکر سلیم کو ہنسی آگئی اور اسنے کہاکہ مجھے غلاف اوٹھاکر حضرت عیسیٰ کو دکھاو قبل از وقت حضرت کیوں آگئے اور یہاں کیوں بیٹھ رہے۔ پہلے تو قلماقنیوں نے منع کیاکہ آپ اپنی والدہ کو آجانے دیں پھر ملاحظہ کیجئے گا۔ لیکن شہزادہ نے نہ مانا اور غلاف اُتار کر دیکھا۔ جو لعل کے آنکھوں میں لگے ہوئے تھے وہ سلیم کو بہت پسند آئے سلیم کی عمر شاید گیارہ برس کی ہوگی قلماقنیوں سے کہاکہ تم اس تصویر کی دونوں آنکھیں مجھے نکال دو یہ سنتے ہی وہ تھرا گئیں اور دست بستہ عرض کرنے لگیں ذرا آپ تامل کریں نہیں تو ہماری جانوں پر بن جائیگی بھلا ان باتوں کو جہانگیر کہاں خیال کرتا تھا۔ فوراً حضرت عیسیٰ کی تصویر کو گرا کر آنکھیں نکال لیں یہ ڈیڑھ لاکھ روپیہ کے قیمتی لال تھے جو آنکھوں کے ڈھیلوں کی جگہ رکھے گئے تھے ادھر وہ لال لیکر دروازہ کے باہر نکلا اور اودھر مریم بھی اپنے ہال میں آئی دیکھاکہ قلماقنیاں رو رہی ہیں اور وہ تصویر چیت پڑی ہوئی ہے۔ یہ دیکھتے ہی مریم کے ہوش اُڑ گئے ایک وحشت سی اسکی صورت پر چھاگئی۔ کپکپاتی ہوئی لہجہ میں دریافت کیاکہ یہ کیا ہوا۔ محافظین کیا جواب دیتیں خاموش کھڑی دیکھا کیں۔

پھر دوبارہ غصہ کے لہجہ میں دریافت کیاکہ یہ کیوں گر پڑے لطف یہ ہوکہ ابھی تک آنکھوں کی مریم کی نظر نہ پڑی تھی انہوں نے ! چار ساری کیفیت عرض کردی مریم مارے غصہ کے لال ہوگئی مگر کر ہی کیا سکتی تھی آہستہ سے اس تصویر کو اٹھایا اور قلماقنیوں کو رخصت کرکے کئی گھنٹے تک رویا کی۔ پھر اس نے ردلیف کو بلایا اور اپنی جگر خراش رام کہانی دھورائی۔ پادری ردلیف بڑا تجربہ کار اور عقلمند تھا۔ پہلے تو خاموشی کے ساتھ سنتا رہا جب مریم چپ ہوگئی تو پادری ردلیف نے کہا اگر میری رائے لیتی ہو تو یہ ہی کہ تم اس بات کو زبان سے

نہ نکالو بلکہ ان عورتوں کو بھی منع کر دیا جائے کہ یہ بھی کسی اس امر کا ذکر نہ کریں۔ لازم ہے کہ اسے تم گرجا میں بھیجدو اور یہاں نہ رکھو سلیم ابھی بچہ ہے۔ اس نے معمولی طبیعت اور سیدھے سادے خیالات سے یہ بات کی ہے۔ یہ فکر کا مقام نہیں ہے۔
ہم اگر کوئی نتیجہ یہاں حاصل کریں تو صرف اتحاد اور انکساری سے نہ کہ بگاڑ کر اور باہم نزع کر کے۔
مریم کو یہ نصیحت ردیف کی اچھی معلوم ہوئی اور اس نے تمام خواصوں کو فہمائش کر دی کہ اسکا ذکر کسی سے نہ آوے اگر کہیں بھی یہ بات اُڑی تو میں سخت تر اور شدید تر عذاب میں تمہیں مبتلا کرونگی۔
دوسرے دن حضرت کی عیسیٰ کی اندھی تصویر گرجا میں بھیجی گئی۔ لعلوں کے بجائے نیلم کی آنکھیں جڑی گئیں سلیم نے وہ لعل اپنی ماں **جودہ بائی** کو جاکر دئے اور کہا کہ میں عیسیٰ کی آنکھیں نکال کر لایا ہوں۔
جودہ بائی۔ پیارے سلیم یہ کیا کہتے ہو کیسی آنکھیں اور کیسے حضرت عیسیٰ۔ سلیم نے ساری باتیں بیان کیں کہ میں اسطرح یہ آنکھیں لایا ہوں جودہ بائی نے منع کیا کہ آیندہ یہ حرکت نکرنا۔ تمہاری وہ بھی ماں ہے تم سے ناراض ہوگی وہ لعل جودہ بائی نے مریم زمانی بیگم کو بھجوادئے اور کہا کہ بچے نے بے خیالی میں یہ فعل کیا ہے مجھے اُمید ہے کہ تم معاف کر دوگی مریم اپنے عیسیٰ کی آنکھیں لیکر اور بھی شرمندہ ہوئی۔ ہر چند اس نے کوشش کی کہ یہ بات کسی پر ظاہر نہو۔ لیکن کہیں یہ بات چھپ سکتی تھی چند ہی روز میں کل محل میں ہوا کی طرح سے پھیل گئی اور پھر مریم کے پاس حضرت عیسیٰ کی تعزیت کے خط آنے لگے۔
**ویلر** اپنی کتاب مختصر تواریخ صفحہ ۸۵ میں تحریر کرتا ہے مریم نے اکبر کو مسیحی بنانے کا کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا تھا اگر وہ **حمیدہ بانو بیگم** سے جو کٹی مسلمان اور متعصب ایوان والی تھی مرتے دم تک اسکی راسخ الاعتقادی کی رہی کیفیت رہی۔ اس کے علاوہ لکھتا ہے کہ اکبر کی تمام رانیاں اور بیگمیں مریم کے خلاف تھیں وہ یہ نہیں چاہتی تھیں کہ اکبر ایک ہی بیوی کا ہو کر رہجائے کچھ دنوں تک مسیحیت کا زیادہ شہرہ رہا اکبر نے اپنے دانیال کو پادری ردیف

سے تعلیم دلوائی تھی۔ بظاہر ابوالفضل بھی مسیحی ہوگیا تھا۔ لیکن دراصل ابوالفضل جس آزادی سے گرجا میں جاکر عبادت کرسکتا تھا۔ ایسی ہی آزادی سے مسجد میں اور اسی آزادی سے مندر میں۔ جب وہ خدا کا قائل ہی نہ تھا۔ پھر اسے سب مذہب برابر تھے۔ بعض مورخ لکھتے ہیں کہ وہ خدا ہی کو مانتا اور پھر سب مذہبوں کو ایک ہی نظر سے دیکھتا تھا" ویلر لکھتا ہے کہ مریم اور پادریوں کی عرق ریزیاں اور ساری کوشش بیکار گئیں۔ نہ مریم زمانی بیگم کا افسوں چلا اور نہ پادریوں کی بحثوں نے کوئی نتیجہ پیدا کیا۔ اکبر کا عجب مذہب تھا پہلے تو وہ لارڈ آف دی پی رئیڈ کے نام سے مشہور ہوا اور اپنے کو آخرالزماں نبی کے نام سے نامزد کیا اور نیا اسلام جاری کرنا چاہا۔ یہ سارا کرتب ابوالفضل اور مسلمان بیگموں کے تھے جنہوں نے اسے پیغمبروں سے جا بھڑایا تھا۔

اسمیں بھی اکبر نے اپنی کامیابی نہیں دیکھی دوسرا اعلان یہ دیا کہ میں وشنو یعنی سورج ہوں اور مجھ میں راما اور کرشنا کی صفتیں ہیں۔ یہ کام ابوالفضل اور رانیوں کا تھا جنہوں نے اسے وشنو راما کرشنا بنا دیا تھا۔

اسمیں بھی اکبر کو کامیابی نہیں ہوئی تو اس نے تیسری تدبیر یہ نکالی کہ ہر صبح کو محل کی کھڑکی میں بیٹھکر اپنی پرستش کرایا کرتا تھا اصل میں یہ سب فریب کی باتیں تھیں جیسا کہ رومن قیصر نے تدبیریں کی تھیں۔ اکبر چاہتا تھا کہ میں ہندوستان کا پیغمبر بنجاؤں اور میرے ربانی حقوق تمام سلطنت میں تسلیم کرلئے جائیں جہاں شہنشاہ کے یہ خیالات ہوں پھر بیچاری مریم کی کیا چل سکتی تھی جلال الدین شروانی لکھتا ہے کہ پادری ردیف کے ساتھ جتنے مسیحی گوا سے آئے تھے سب بعدازاں مسلمان ہوگئے اس پر پادری ردیف نے زہر کھا لیا۔ اور بیچاری مریم بھی اسی رنج و صدمہ میں راہی ملک بقا ہوئی اس کی قبر اسی گرجا میں بنی ہوئی ہے۔

مسیحی دنیا میں مریم شہنشاہ اکبر کی بیگم بہت مشہور ہے مختلف مورخوں نے اسکی سوانح عمری لکھی ہیں ہم نے گیارہ مورخوں کی کتابوں سے انتخاب کردیا ہے تاکہ تاریخ کے ناظرین دلچسپی کے ساتھ پڑھیں اور سمجھیں کہ اکبر نے کتنی آزادی ہر مذہب کو دیدی تھی۔ آخر

مضمون بعینہ مسٹر ویلر کی تاریخ ہند کا خلاصہ ہے جسمیں اپنی رائے کو مطلق دخل نہیں دیا گیا۔ حریم نے کوئی بات ایسی نہیں کی کہ جس کا نتیجہ اس کے خیال کے موافق نکلتا۔ یوں تو اس بیچاری کی عمر فکر و تردد اور مختلف تدابیر میں صرف ہوئی۔ مگر کوشش کا نتیجہ نہ معلوم

## اکبر کی چوتھی بیگم

### عارف النسا بیگم

یہ بیگم راجہ بھارا مل والئے مارواڑ کی لڑکی تھی۔ شادی بڑی چاہت سے اکبر نے اس سے کی تھی اس کا اصلی نام سروپی تھا۔ یہ رانی ہندوؤں کی تاریخ میں بڑی مشہور ہے۔ انکی جنگی قوتیں اور دلیرانہ بنرد آزمائیاں مشہور زمانہ ہیں۔ اس کی عمر پوری پچیس برس کی تھی جب اسکی شادی ہوئی ہے۔ مل مین جہاں لکھتا ہے کہ یہ سر دفتر حسینان جہاں تھی جسکی ہر وضع دلربائیوں کی بھری ہوئی تھی یہ وہ ہی زنانہ کپڑے پہنکر جنگ میں آیا کرتی تھی اور جس خوبی اور خوش اسلوبی سے کہ سپاہیوں کو لڑواتی تھی وہ قابل نوٹ ہے۔ ایک جنگ میں جو اپنے کسی رشتہ دار سے ہوئی تھی۔ اس لڑکی نے وہ نام حاصل کیا کہ اسکی شجاعانہ بیچ اور آفریں کی بھری ہوئی آوازیں اکبر کے کانوں میں بھی گونجنے لگیں۔

یہ جنگ جس بہادری اور خونخواری سے جیتی صفحہ تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہیگی۔ یہ لڑائی راجہ جسونت سنگھ جاگیردار سے ہوئی تھی جو گیارہ ہزار فوج لیکر سروپی کے ملک پر حملہ آور ہوا اس کی اصلی غرض سروپی کو قبضہ میں لانے کی تھی۔ اس نے کئی برس سے کوشش کر رکھی تھی کہ رانی سروپی پر میں قبضہ کرلوں مگر اسکی تمام کوششیں بیکار گئی تھیں گو بھارامل تو راضی بھی تھا۔ لیکن سروپی راضی نہیں ہوئی تھی اور جسونت سنگھ کو حقارت کی نظر سے دیکھتی تھی۔ جب جسونت سنگھ نے تمام کوششیں کرلیں تو آخر چپ چپاتے اس نے چڑھائی کی اس تیزگی اور چابکی سے آدھمکا کہ بھارامل کو اصلاح خبر بھی نہ ہوئی آس پاس کے گاؤں کو اجاڑ دیا اور شہر کا آکر فوراً محاصرہ کرلیا راجہ بھارامل کے چھکے چھوٹ گئے اور وہ پریشان ادھر ادھر دوڑنے لگا اپنے پرائم منسٹر باز دیو کو جسونت سنگھ کی خدمت میں بھیجا اور

کہا کہ آپ نے کس غرض اور مطلب سے حملہ کیا ہے اور منشا کیا ہے۔ اس نے فوراً جواب دیا کہ اس چڑھائی سے میری غرض فتح ملک کی نہیں ہے بلکہ میں سروپی سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ اگر وہ ابھی راضی ہو کہ اپنی لڑکی کو میرے عقد میں دے تو میں اسکا وہی دیرینہ دوست ہوں اور اگر اس نے تسلیم نہیں کیا تو یہی میدان ہے اور میں ہوں میں نے عہد کر لیا ہے کہ کیا تو میں اور میرے تعداد ساتھی اسی میدان میں غارت ہو جائیں گے یا سروپی کو جبراً لیکر جاؤنگا۔

بازدیو نے یہ ساری کیفیت اپنے آقا سے عرض کر دی اور اپنی رائے ظاہر کی کہ جسونت سنگھ حسب نسب دونوں طرف سے صحیح ہے اتنے آدمیوں کے قتل ہونے اور ملک چھٹنے سے یہی بہتر ہے کہ آپ سروپی کو دینا منظور کر لیں۔

بھارامل جو کچھ تم کہتے ہو وہ سب درست ہے۔ لیکن غضب یہ ہے کہ سروپی راضی نہیں ہوتی میں تو پہلے ہی سے رضامند تھا۔ لڑکی جب بھی راضی نہیں تھی۔ اب یہ تو نہیں ہوسکتا کہ میں جبراً ہاتھ پکڑ کر دیدوں۔ اب میں پھر جاتا ہوں اور اُسے سمجھاتا ہوں اگر اس نے سمجھ لیا خیر ہے اور نہ سمجھا وہ جانے اور اُسکا کام۔ میں بوڑھا ہو چکا ہوں مجھے ملک گیری کی اتنی ہوس بھی باقی نہیں رہی یہ کہکر راجہ سیدھا اپنی بیٹی کے پاس آیا۔ اور ساری کیفیت بیان کی۔ سروپی یہ پہلے ہی سُن چکی تھی کہ جسونت سنگھ محاصرہ کئے پڑا ہوا ہے جب اس کا باپ اپنی رام کہنی ختم کر چکا تو سروپی نے کہا کہ آپکی یہ مرضی ہے کہ میں اس بدکیش سے شادی کروں میں اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالتی ہوں اور یا کسی طرف نکلکر چلی جاؤنگی ورنہ کچھ بھی آپ میں ہمت ہے تو مستعد ہو جائیے میں ہوں اور تلوار میدان ہے اور خون کی روانی۔ کیا آپ پھر بھی اپنے ہمسروں میں منہ دکھانے کے قابل رہیں گے کہ مجبور ہو کر ایک سفلہ مچھو کرے کو اپنی بیٹی دیدی۔ شہنشاہ اکبر کے دربار میں تمہاری کیا عزت ہوگی۔ ایسے موقع پر جان بچانی بیعزتی اور ندامت ہے اور جان کھونی عزت ہے آپ فوجکو آراستگی کا حکم دیجئے نصف فوج کی کمان میں کرونگی اور نصف کی آپ کیجئے۔ پھر جو کچھ ہوگا دیکھا جائیگا۔ ہم ایسے منہ کے نوالے نہیں ہیں یہ سنکر بھارامل کو بھی جوش آگیا اور اس نے جاتے ہی

اپنے پرائم منسٹر کو حکم دیدیا کہ ابھی فوج تیار ہو۔ باز دیو بیچارہ پہلے ہی سے ڈرا ہوا تھا یہ تو ہیرے کی کنی چاٹ کر مر گیا اور اپنے پرائم منسٹر کی اچانک موت کا صدمہ بوڑھے راجہ پر بہت پڑا لڑکی نے پھر بھی کچھ پروانہ کی اور اپنی فوج تیار کرکے جسونت سنگھ کو یہ رقعہ لکھا جو ہم جلال الدین شیروانی کی کتاب سے نقل کرتے ہیں۔ وھو ہذا۔

راجہ جسونت سنگھ جاگیردار۔ جس نیت سے تم نے بغیر اطلاع فوج کشی کی ہے تمہیں اسکا پھل عنقریب ملیگا۔ کیا تمہیں معلوم نہیں ہے۔ کہ تم ایک خونخوار شیرنی کے بھٹ میں چلے آئے ہو تمہیں معلوم ہوگا کہ جنگ کا نتیجہ کیا ہوتا ہے نامردوں کی طرح حملہ آور نہیں ہوتے کہ بغیر اطلاع دھوکا دیکر چڑھ آئیں بلکہ جتا کر اس سے جنگ کرتے ہیں۔ اس بنا پر تمہیں آگاہ کیا جاتا ہے کہ تم کل کی جنگ کے لئے مستعد رہنا فقط۔ جوں ہی رقعہ جسونت سنگھ کو پہنچا وہ آگ بگولا ہوگیا۔ اور اب جنگ کا خیال شدت سے اسکے ذہن میں جمنے لگا۔ اسے ہرگز امید نہ تھی کہ بھارا مل مجھ سے ہم نبرد ہوگا بلکہ اس کے شوربہ چٹ مصاحبوں ور جھوٹی تعریف بکنے والوں نے اسے یقین دلایا تھا کہ آپ حملہ آور ہوئے اور سروپی دست بستہ آپکی خدمت میں حاضر ہو جائیگی اسی ترنگ پر یہ اپنا بھیر بھنگا سمیٹ کر چڑھ آئے مگر جب یہاں سے یہ جواب ملا تو اسے جسونت سنگھ کی آنکھیں کھلیں جنگ کرنی اسے لازمی ہوئی۔ اُدھر تو شب کو سروپی اپنی فوج کو سمیٹ سمٹا کر درست کیا اور ادھر جسونت کو جنگ کا تردد ہونے لگا۔ ساری رات اسی خوف ورجا میں گزر گئی۔ بہادروں کے دل ہل رہے تھے کہ دیکھئے نتیجہ کیا ہوتا ہے جب آفتاب کے نکلنے کی خبر چھوٹے چھوٹے پرند دینے لگے تو سروپی ایک ہزار سواروں کا پرا لئے ہوئے آگے بڑھی اپنے شہر کے چاروں طرف چند چند سپاہیوں کے دستے مقرر کر دیئے۔

جلال الدین شیروانی لکھتا ہے کہ یہ نظارہ قابل دید تھا۔ کہ سروپی کی باڈی گارڈ ڈہائی سو عورتیں تھیں جو لوہے میں غرق بھالہ تانے ہوئے آگے بڑھ رہی تھیں۔ خود فولادی سر پر تھا۔ مگر انکے نرم ریشمی بال دونوں کندھوں پر پڑے ہوئے تھے تاکہ تمیز ہو سکے۔ بھالہ ہاتھوں میں ایک پہلو میں تلوار آویزاں دوسرے پہلو میں بندوق توڑے دار لٹکی ہوئی کمر میں ایک جانب کٹار اور دوسرے پہلو میں طمنچہ۔ ان کی آنکھیں گو سیاہ تھیں پھر بھی غضب انگیز طیش کی جھلکی خون کیطرح

سے جھلک رہی تھی۔ ان کی صورتوں پر شجاعانہ ہٹ جلوہ دیتی تھی۔ انکی مجسم ہیئت اس امر کی شہادت دیتی تھی کہ شیر نیاں جنگ کے لئے شیرستان سے نکلی ہیں۔

جب دونوں صفیں آراستہ ہوئیں تو پہلے جو شخص میدان میں آیا وہ سروپی کی چھوٹی بہن تھی اس نے آتے ہی راجپوتی زبان میں اپنی بہادری کے اشعار پڑھے جن کا مفہوم غالباً اس شعر میں بخوبی ہو سکتا ہے۔ **شعر**

آں نہ من باشم کہ روز جنگ بینی پشت من ٭ آں منم کاندر میان خاک و خون بینی سرے ٭ ادھر سے ایک شخص اس شیرنی کے مقابلہ میں (جسکی عمر ابھی سولہ برس کی بھی نہیں ہوئی تھی) آیا اس راجپوت بچہ نے آتے ہی اپنا بھالہ زمین میں گاڑا اور گھوڑے کی باگیں تھام کر کھڑا ہو گیا۔

لڑکی نے پکار کر کہا ہوشیار ہو کہ تیری موت کا پیغام آپہنچا۔

راجپوت۔ یہ باتیں تیری محض بے بنیاد ہیں تو ایک چھوکری ہے تجھپر کیا ہاتھ اُٹھاؤں ہمارے مذہب میں جائز نہیں ہے کہ ہم عورتوں پر ہاتھ اُٹھائیں تجھے لازم ہے کہ تو کوئی نوجوان بہادر اپنی فوج کا میرے مقابلہ کے لئے بھیجدے۔

اس بھپری ہوئی شیرنی کو کہاں تاب تھی کہ وہ کچھ دیر رستہ دیکھتی اور اپنا عزیز قیمتی وقت بیہودہ اور بے سروپا باتوں میں صرف کرتی گھوڑے کو مہمیز لگا کر آگے بڑھی اور کہا پھر آگاہ کرتی ہوں کہ موت آپہنچی۔

پھر تو مجبوراً وہ سنبھلا اور آمادہ جنگ ہوا۔ وہ اپنا نیزہ زمین سے اُٹھا کر پھرانا چاہتا تھا کہ گردن پیروں میں دکھائی دی۔ اس شیرنی نے پندرہ راجپوتوں کو قتل کیا۔ یہ دیکھکر جسونت دوسو سواروں کا ایک پرا لیکر آگے بڑھا۔ اس کا بڑھنا تھا کہ سروپی بھی اپنی فوج لیکر چلی اور اب عام جنگ ہونے لگی۔ تین گھنٹے کامل جنگ رہی جسونت سنگھ عین میدان جنگ میں مارا گیا اس کے خوشامدی مصاحب کیا قتل کئے گئے اور کیا ذلت و خواری سے گرفتار ہو گئے۔ اس فتح کی خبر آناً فاناً میں تمام ہندوستان میں پھیل گئی۔

اکبر نے جب یہ خبر سُنی اس کے منہ میں پانی بھر آیا اور اس نے بڑے جوش و خروش سے پیغام شادی دیا۔ کسی مورخ نے یہ نہیں لکھا کہ شادی کیونکر ہوئی اور آیا سروپی کو

منظور کیا تو کیونکر کیا گیا۔ کیا حجتیں درمیان آئیں اور کیا کیا گفتگو ہوئی غرض یہ کہ شادی ہوگئی
اور سروپی کو عارف النسا کا خطاب ملا محل میں جانے کے چند روز بعد اکبر سے وہ
محبت ہوگئی کہ رانی اپنی جان نثار کرنی اپنا فخر سمجھنے لگی اور اب اسے یہ سوجھی کہ اکبر کو دیوتا
مشہور کرنا چاہیئے۔ جلال الدین شیروانی لکھتا ہے کہ وہ اکبر کو نہا وٹی دیوتا کہنے لگی
اس نے اعلان دیا تھا کہ اکبر وشنو ہے اسکی پرستش ہندوؤں پر فرض ہے لطف یہ ہے
کہ خود بھی خاوند کی دیوتاؤں کی طرح پرستش کرتی اور اکبر کی ایک خوشنما تصویر پر علی الصباح
ڈنڈوت کرنا یہ اسکا ذاتی فرض یا کام تھا۔
جلال الدین شیروانی لکھتا ہے کہ سروپی اپنے مذہب کی پرستش اور دیوتاؤں پر ایمان رکھنا
بھول گئی تھی ہر وقت اسے اپنے معزز خاوند کی پرستش مدنظر تھی۔ اسکی طبیعت صاف اور بے لوث
تھی اور اسکی طرز معاشرت وہ ہی قدیمی ہنود کی طرح تھی۔ جب سے اکبر کے محل میں داخل ہوئی
پھر باہر نہیں نکلی۔ تین لڑکیاں اور ایک لڑکا جس کا نام دانیال تھا اس کے ہاں پیدا ہوا
دانیال کے مرنے کے چند روز بعد اسکا بھی انتقال ہوگیا۔ غالباً اکبر سے کچھ ہی سال پہلے اسکا
انتقال ہوا تھا کہتے ہیں اگر یہ دس یا پندرہ برس زندہ رہتی تو راجپوتوں کا دیوتا اکبر کو ٹھیرا دیتی
اور ہندوؤں کو یقین دلا دیتی کہ اکبر کے آگے ڈنڈوت کرنا اور اسکی مالا پھیرنا ہی مکتی کا سبب ہے
یہ آخری عمر میں اپنی بیش بہا کوششوں میں کسی قدر کامیاب ہوتی چلی تھی افسوس ہے وہ
ارمان لیکر کہ میرا خاوند دیوتا ہے دارالبقا کو چل بسی۔

## اکبر کی پانچویں بیگم

### شنتلی رانی

یہ رانی اجے پور والے کی بیٹی تھی۔ اس کو راجہ نے اپنی درخواست سے اکبر کی نذر کیا تھا
اکبر کے محل میں داخل ہونے سے پہلے اسکی سوانح عمری کا کہیں پتہ نہیں لگتا اور جو ایک
آدھ مورخ نے لکھا بھی ہے تو وہ کچھ ایسا مہمل ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا تاہم جو کچھ چند ہندی اور
انگریزی کتابوں سے ہمیں تحقیق ہوا ہے درج کرنا مناسب جانتے ہیں۔

یہ رانی کچھ ایسی خوبصورت نہ تھی کہ جو تعریف کے قابل ہو ہاں اسکے اوصاف باطنی کی ہندی شعرا نے تعریف کی ہے یہ جے پور میں ۱۵۶۰ء میں پیدا ہوئی۔ اسکا رنگ گندمی اور ملیح تھا بدن دبلا پتلا چھریرا تھا۔ چہرہ زرد اور کسی قدر زاویہ نما تھا۔ باینہمہ اسکی تیز تیز آنکھوں سے عقل و دانش کے شعلے چمکتے تھے۔ اس کی پیشانی نمایاں فراخ تھی۔ جب اسکی پندرہ برس کی عمر ہوئی ہے اس نے اب تک ہندی یا سنسکرت کا ایک لفظ بھی نہیں پڑھا تھا۔ نوجوان اور سمجھ دار ہونے پر اس نے اپنے باپ سے خود درخواست کرکے پڑھنے کے لیے ایک پنڈت نوکر رکھا۔

پنڈت بڑا مہذب اور متین تھا۔ اس نے پڑھانے کے لئے علاوہ مجلسی ادب آداب کی تعلیم بھی دینی شروع کی۔ اصل یہ ہے کہ فطری طور پر بعض طبیعت ایسی ہوتی ہے کہ خود بخود اصلاح کی باتیں جوں جوں عقل بڑھتی ہے سمجھ میں آجاتی ہیں زیادہ خوبی کی بات یہ اور ہو سکتی ہے کہ ایسی طبیعت والے کو کوئی سچا اور مہذب رہنما مل جائے۔ پنڈت جانتا تھا کہ معمولی تعلیم سے یہ بہتر ہے کہ عملی تعلیم دیجائے تاکہ متعلمہ کی عمر ادب اور تہذیب ہی میں صرف ہو۔ شنیتلی نے وہ باتیں کہ جو متعلم مدت میں حاصل کرسکتا ہے تھوڑے ہی دنوں میں سیکھ لیں پہلی کتاب جو اس نے پڑھی وہ لیلاوتی (حساب میں) تھی جس سے حساب میں خوب دخل ہوگیا یہانتک کہ اکبر کے بڑے بڑے محاسبوں کی سمجھ میں نہیں آتا یہ چٹکی بجاتے میں حل کردیتی احمد شاہ بدایونی تحریر کرتا ہے (کتاب تاریخ النسا صفحہ ۱۵۲ میں) کہ ایسے مہذب بوڑھے پنڈت نے جس کے خیالات روشن اور فلسفیانہ تھے اپنے شاگرد کو یہ مشورہ دیا کہ اگر تم اکبر کے محل میں پہنچ جاؤگی تو وہ عمدہ اور قابل قدر نتیجے برآمد ہوں گے کہ جن کا ابھی سان و گمان بھی نہیں ہے۔ علاوہ طرفین کے اتحاد کے اکبر قطعی ہندو ہو جائیگا۔ اور اگر وہ ہندو نہوا تو جو فرزند تمہارے ہاں پیدا ہوگا وہ تو ضرور ہی اہل ہنود میں سے ہوگا۔ یہ مانا کہ اس کا ولیعہد قطعی ہو جاتا۔ کوئی دعوی سے یہ نہیں کہ سکتا۔ تاہم یہ ضرور ہوگا کہ وہ اکبر کے بعد نصف یا ایک چوتھائی کا مالک بنے گا اور بھی کئی رانیاں اکبر کے ہاں ہیں کیا عجب ہے کہ آیندہ نسل سے ہندوی مہاراجہ تخت نشین ہوں اور یہ سلطنت یکایک اسلام سے ہندوؤں میں پہنچ جائے

پنڈت کی یہ رائے رانی کو اچھی معلوم ہوئی۔ اس نے شرمگیں نگاہوں سے گردن جھکاکر کہا کہ آپ مہاراجہ صاحب بہادر سے یہ مشورہ کیجئے گا۔ وہ اگر راضی ہوجائیں گے تو میں بھی آپکے مشورہ پر عمل کرنے کو موجود ہوں۔
پنڈت نے مہاراجہ سے کہا وہ اپنی لڑکی کی رضامندی دیکھکر فوراً راضی ہوگیا۔ پھر اسکی اطلاع شہنشاہ اکبر کو دی اکبر ایسی شادیوں کے لئے منھ کھولے بیٹھا ہوا تھا فوراً راضی ہوگیا۔ جب شادی ہوئی تو اکبر نے اس رانی کو کچھ خوبصورت نہ پایا۔ اسکی خوبصورتی ایسی بھدّی بھی نہ تھی کہ ناظر کی نگاہوں میں نفرت پیدا کرتی تاہم اور محل کی رانیوں سے وہ حسین نہ تھی اکبر پھر بھی اسکا فطری بھولپن دیکھکر لٹو ہوگیا اسکی شریفانہ وضع اسکا فیاض اور نیک طبعی ہوتا ظاہر کرتی تھی۔ خوبصورتی کے عوض میں خداوند تعالیٰ نے اسے ذکی ذہین جودت طبع۔ عالی دماغ۔ فیاض دلاور پر اوصاف و شریف بنایا تھا۔ جن صفتوں کا اثر نمایشی صورتوں کی نسبت زیادہ پڑتا ہے۔
اکبر نے جب اس سے باتیں کیں تو اسے معلوم ہوا کہ فطرت نے باطنی گوناگوں صفات سے اسے کیسا مالا مال بنایا ہے۔ اس شریف خاتون کو اپنی دینی باتیں اسیقدر معلوم تھیں کہ جتنی معمولی شخص کو معلوم ہوتی ہیں۔ وہ ایک راجپوت کی بیٹی تھی اور اسکا ہندو جنم تھا پھر بھی اس نے صرف اپنے شوق سے قرآن شریف پڑھا اور بہت جلد حفظ کرلیا۔
اکبر کے محل میں یہ رانی متعجب نظروں سے دیکھی جانے لگی پھر تو اکبر کی بھی توجہ اسپر زیادہ حد سے معلوم ہوئی اور وہ معمولی وقت سے زیادہ اپنا وقت اسکی صحبت میں گزارنے لگا۔ اس کی زندگی کا وہ مشہور واقعہ جسکی طرف جلال الدین شروانی اور احمد شاہ بدایونی اشارہ کرتا ہے یہ ہے کہ مریم یا میری سے ایک دن بڑی دیر تک مباحثہ ہوا علاوہ درباری بحث کے کبھی کبھی اکبر باہم عورتوں کی بحث کراکے بھی دلچسپی لیتا تھا یہ انجمن کسی مقررہ دن یا تاریخ کو قایم نہوتی تھی بلکہ جب بیگموں نے زور ڈالا وہ مجلس منعقد ہوگئی۔ اکبر علیحدہ ایک جندی پر بیٹھا ہوا تھا۔ چاروں طرف بیگمیں رانیاں وغیرہ اکھٹی تھیں مریم اور شنتلی کے خیالات آزاد اور فلسفیانہ تھے وہ ہندو جنم تھی اور اپنے کو بیگم اور مسلمانی

کے مقابلے میں رانی اور ہندنی کہلانا پسند کرتی تھی۔ تاہم وہ آزاد تھی اور اس کے خیالات میں کسی مذہب کی کسی قسم کی کدورت نہیں تھی۔ جس کے ایسے نکھرے ہوئے خیالات ہوں اور جیسا دماغ اور دل مختلف مذاہب کی کدورتوں اور غلاظتوں سے پاک ہو بھلا مریم کیا مناظرہ کرسکتی تھی مناظرہ کئی گھنٹہ تک رہا۔ ہمیں مناظرہ درج کرنے سے کچھ غرض نہیں ہو اس لیے کہ ہم اپنی اس کتاب میں مذہبی بحث درج کرنا نہیں چاہتے تاہم چند برجستہ فقروں کا تحریر کرنا کچھ عیب بھی نہیں گنا جاتا۔ اس لیے احمد شاہ بدایونی کی کتاب مذکور الصدر سے نقل کیا جاتا ہے۔ جو علاوہ دلچسپی دینے کے رانی اور پیاری رانی کی تیز طبعی ثابت کریگا۔

پہلا سوال جو رانی نے مریم سے کیا وہ یہ تھا مذہب کیا چیز ہے اور اسکا اثر طبائع پر کس قدر پڑتا ہے۔

یہ سوال ایسا باریک اور سخت تھا کہ مریم بغلیں جھانکنے لگی اور کچھ دیر تامل کرکے یہ کہا اس بحث سے میں سمجھتی ہوں کچھ نتیجہ نہیں نکلے گا جو مناظرہ کہ ہم یہاں کرنے بیٹھے ہیں اسکی اصلی یہ غرض یہ ہے کہ ہم اپنا اپنا مذہب سچائی کے پیرایہ میں بیان کریں اور یہ ثابت کریں کہ دنیا میں کونسا سچّا ہے۔

غلطی یہ تو صحیح فرماتے ہیں مگر یہ تو خیال کیجئے کہ جب مذہب کو آپ کوئی شے ثابت کرلیں گے پھر تو اسکی کسی ایک شاخ کے لئے کہ وہ برحق ہے یا نہیں دلیلوں کی ضرورت ہوگی اور جب یہ بات نہیں ہوگی پھر کسی مذہب خاص پر بحث کرنا عبث ہی۔ قصہ مختصر یہ کہ دونوں کی اسی مذہب کے مسئلہ پر خوب بحث ہوئی۔ مریم کافی اور شافی جواب نہ دیکی نہ دے سکتی تھی۔ جیسا مذہب اکبر کا تھا وہی اس پیاری رانی کا تھا۔ یہ ہندوؤں میں ہندو اور مسلمانوں میں مسلمان عیسائی میں مسیحی ہونا پسند کرتی تھی۔ اس سے یہ غرض نہیں ہے کہ وہ ہر مذاہب میں جاکر اسی کا سا طریقہ برتنے لگتی تھی بلکہ ہر مذہب کے تھوڑے تھوڑے اصول اسے پسند تھے اور وہ کہا کرتی تھی کہ دنیا میں کوئی مذہب نہیں ہے کہ جسمیں کوئی عیب نہو یا جکی روایتیں زیادہ تر غلو سے مبالغہ سے نہ بیان کی گئی ہوں ہر مذہب کا منشا اگر ہوسکتا ہی تو یہ ہے کہ خدا کی پرستش کرے اور اسکی لامحدود قوتوں پر استواری سے بھروسہ کرے

وہ بعض دفعہ اکبر کے تغیر و تبدل کو پسند نہ کرتی تھی کیونکہ جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے کبھی تو اکبر ہندو بنجاتا تھا اور کبھی مسلمان اور کبھی عیسائی کبھی مجوسی۔ نہ اسکا کوئی مذہب تھا نہ طریقہ تھا۔ شنتلی کے خیالات بھی فلسفیانہ تھے وہ کبھی کسی مذہب کی پابند نہ تھی وہ نہیں چاہتی تھی کہ میں کسی مذہب پر اپنا اعتقاد جماؤں۔

اکبر اپنی اس بیگم کے خیالات بہت پسند کرتا تھا۔ اور کہتا تھا کہ عورتوں کے ایسے شستہ خیالات بہت کم ہوتے ہیں کبھی اکبر کو ملامت کرتی تھی کہ آپ اپنی عادتیں اور طریقے رنگارنگ کے کیوں رکھتے ہیں ایک ہی طرف کے ہو لیجئے اکبر چونکہ پولیٹیکل معاملات میں بیٹھا ہوا تھا اسے ان باتوں پر ہنسی آتی تھی۔ ملکی معاملات کی تیز اور تند بے محابا ہوائیں شاہ کو کبھی ایک مذہب پر عمل نہیں کرنے دیتیں اور اگر اس نے ایک مذہب پر عمل کیا بھی تو سلطنت کے لینے دینے پڑ جاتے ہیں اور پھر امن مشکل ہو جاتا ہے۔

اگر ایک منصف نظر اکبر کی پالیسی پر ڈالی جائیگی تو اسے معلوم ہوگا کہ اکبر کا یہ قول کتنا صحیح ہے کہ جو اس نے اپنی پیاری بیوی عارف سے کہا تھا۔ ایک دن وہ کہنے لگا کہ جو انسان اپنی حالت متغیر رکھتا ہے وہ سنجیدہ اور متین نہیں ہو سکتا لیکن تم اتنا سمجھ لینا کہ شاہوں کی تلوّن مزاجی اور اپنی حالت کا تغیر بھی سنجیدہ مزاجی اور متانت ہی شاہوں کا فرض ہے کہ سلطنت کی طبیعت کا جس طرف رخ دیکھیں خود بھی وہ ہی اور ویسی ہی طبیعت بنالیں ورنہ یہ محض ناممکن ہے کہ انکی سلطنت ایک حالت میں بجا رہے گی احمد شاہ بدایونی لکھتا ہے کہ عارف النسا بیگم (یہ خطاب قرآن شریف کے حفظ کر پر اکبر نے دیا تھا) آخرکار بڑھتے بڑھتے دہریہ ہو گئی تھی۔ کچھ عرصہ تک تو اسکا اعتقاد خدا پر رہا لیکن بعد ازاں وہ خدا کو بھی نرا خیال ہی خیال اور ہولی سمجھنے لگی۔ گو وہ دہریہ پن کی باتیں کیا کرتی تھی پھر بھی کل بیگمیں اس کے خلق اور نیک طینتی پر لٹو تھیں اور اسکی صحبت کو ترستی تھیں۔ اس میں حسد نہ تھا کینہ نہ تھا۔ کسی قسم کی بناوٹ نہ تھی اگر تھا تو صرف دل ساتھ تھا جو ظاہری سامان اور شان و شوکت سے زیادہ قیمتی تھا۔ اس کا ظاہر اور باطن یکساں تھا۔

ارف کا وقت ریاضی وغیرہ میں بہت صرف ہوتا تھا۔ وہ مختلف شکل اور لاینحل سوالات
دحل کرتی تھی حساب کتاب میں راجہ ٹوڈرمل کی بہت مدد کرتی۔ اور عموماً ان حسابات
وحل کرتی کہ جنمیں راجہ ٹوڈرمل کو دقت پڑتی اور ذرا تامل ہوتا۔
سادگی اس عصمت پناہ کو زیادہ پسند تھی۔ ایک ہار موتیوں کا صرف گلے میں پڑا رہتا تھا
پڑے سفید اور دھانی رنگ کے یا کبھی کبھی جوگیا بہت پسند تھے۔ عین عالم شباب میں
چہ ہونے کے بعد اچانک مرض سے عالم بقا کو سدھاری۔

# اکبر کی چھٹی بیگم

## سعیدہ بانو

یہ بیگم ایک سید شریف نامی کی بیٹی نجد کی رہنے والی تھی قوم کی عربی ہونیکی وجہ سے
تو یہ ہندہی کی پیدائش تھی عربی بولتی تھی۔ فارسی زبان میں بھی اسے ملکہ تھا مگر سوائے
عربی زبان کے اور زبانوں سے قدرتی نفرت تھی اور یہ نفرت اسوجہ سے تھی کہ اس کو
اور زبانوں کی تعلیم نہ ملی تھی۔ شریف کسی زمانے میں تو نجد کے حکمراں کا بیٹا تھا
مگر ایک سیول جنگ کی طفیل سے اسے نجد چھوڑنا پڑا اور وہ پریشان و خستہ ۱۵۷۵ء میں اکبرآباد
آیا۔ یہاں اسکی بڑی آؤ بھگت ہوئی اکبر نے شریف کو اپنے دربار میں بلاکر خلعت فاخرہ سے
ممتاز کیا اور سہ ہزاری عہدہ سے فخر بخشا۔
شریف اسم بامسمی تھا۔ سب درباریوں سے ملتا تھا لیکن سب سے الگ تھا ہر مجلس میں شریک
ہوتا تھا لیکن بحث کا حصہ نہ لیتا تھا۔ شب و روز اکبر کا شکر گذار رہتا تھا اور بعض بعض وقت
اپنی حکومت یاد کرکے روتا تھا۔ مذہبی علوم میں اسے کامل مہارت تھی۔ گفتگو صاف اور شستہ تھی
باتیں کم کیا کرتا تھا اور کبھی کبھی گفتگو میں متنبی کے اشعار نہایت خوش لہجہ سے پڑھا کرتا تھا۔
قرارت کے تمام اصول اپنی لڑکی سعیدہ کو پڑھا دئے تھے علم قرارت میں سعیدہ کو وہ کمال تھا
کہ اکبر کی سلطنت بھر میں ایسا قاری کوئی نہیں ہوگا۔ سعیدہ کی تعلیم معمولی تھی نہ اسے فلسفہ
کی روشن تعلیم سے حصہ ملا تھا اور نہ اس نے منطق کی مسلسل و پیچیدہ تقریر کو سلجھانیکی دلچسپی لی تھی

عموماً قرآن شریف کی تلاوت سے اپنی روحی قوت کو بڑھاتی تھی اور دنیا کی خبر نہ تھی کہ کہاں بستی ہے۔ اس کی عمر اب اٹھارہ انیس برس کی ہو گئی۔ نہ شریف کو یہ خیال آیا تھا کہ اسکے لئے میں کسی خاوند کی تلاش کروں اور نہ سعیدہ کو یہ خیال تھا کہ میں اپنے باپ سے شادی کرنے کی آمادگی ظاہر کروں یہ بھی ایک قاعدہ کی بات ہے کہ جب انسان خالی ہوتا ہے اسے طرح طرح کے فاسد خیالات آتے ہیں اور وہ اولٹی سیدھی نئی نئی باتیں سوچتا ہے برخلاف اسکے سعیدہ شب و روز اپنے اس کام میں مشغول رہتی تھی کہ جسمیں مشغول رہنا برکت تھا اور نجات آخری متصور تھا۔

سعیدہ کی ماں کا انتقال ہو چکا تھا اب گھر کا کل انتظام اسی کے اختیار میں تھا تمام خواصیں ماما ئیں اسکی ماتحت تھیں اور سب کو اس نیک خاتون کو عمدہ اور قابل تعریف انتظام میں رکھنا پڑا تھا۔ سعیدہ ان باتوں کے علاوہ نہ تو شمشیر زنی جانتی تھی اور نہ میدان جنگ میں اسے گھوڑا کدانا آتا تھا۔ ہاں وہ نجد کے رہنے والی تھی ہاشمی گرم گرم مصفا خون اسکی رگوں میں بہت تیزی سے دوڑ رہا تھا۔ اسے کبھی اپنی بہادری کے آزمانے کا موقع نہ ملا تھا تاہم وہ بہادر تھی اور اسمیں شجاعت کا مادّہ اعلی درجہ کا تھا جلال الدین شیروانی خواجہ نصیر الدین بدایونی احمد شاہ بدایونی جان احمد سہسوانی وغیرہ مورخوں نے پیاری سعیدہ کی نسبت ایک واقعہ نقل کیا ہے جو جسقدر لطیف ہے اسی قدر حیرت انگیز اور پُر لطف ہے ایک دن اکبر نے شریف کو دہلی جانیکا حکم کیا۔ شریف اپنی پیاری بیٹی کو تنہا چھوڑ کر عازم دہلی ہوا۔ شریف جس کام کے لئے تھا وہ ایک پولٹیکل امر تھا جو کسی تحریر میں نہیں پایا جاتا اس لئے ہم اسکی بابت کچھ نہیں لکھ سکتے نہ ہمارے بیان کا وہ ذکر کوئی جزو ہے ہم سعیدہ کا واقعہ بیان کرتے ہیں جو لکھنے کے قابل ہے اکبر کے باڈی گارڈ میں ایک نوجوان سپاہی شجاع نامی کپتانی کے عہدہ پر تھا۔ اسکی اکثر شریف سے محبت تھی اور یہ کبھی کبھی اسکے مکان پر بھی جایا کرتا تھا۔ عربوں میں چونکہ زیادہ پردہ نہیں ہوتا اس لئے وہ دو ایک بار دعوتوں میں جو شریف نے شجاع کی کی تھیں انمیں شجاع نے سعیدہ کے ناز و انداز حسن و جمال کو بخوبی دیکھ لیا تھا اسکا تیر نگاہ ایسا نا تھا کہ شجاع کے کلیجے میں اور پار نہو جاتا۔ وہ سعیدہ پر جان و دل سے فریفتہ تھا۔ مگر مغل ہونیکی وجہ سے ساری امیدیں منقطع ہو گئی تھیں اسے ہر گز امید نہ تھی

کہ میں سعیدہ کے معزز خاوند بننے کا فخر حاصل کرونگا۔ علاوہ مغل ہونیکے یہ بھی بات تھی کہ شریف اکثر ذکر کیا کرتا تھا کہ جبتک کوئی نجدی شریف عرب نملیگا میں اپنی بیٹی کا نکاح نکرونگا۔ جب شریف چلاگیا تو یکایک شجاع کا خیال اس کی طرف رجوع ہوا اور اب وہ اس تکلف دو میں ہوا کہ کسی طرح علیحدگی میں پیاری سعیدہ سے باتیں کروں ہمت تو نہ پڑتی تھی کہ تنہا کس منہ سے جاؤں مگر اپنی طبیعت کو روک تھام آپ سیدھے سعیدہ کے مکان پہ پہنچے سعیدہ گو حسین تھی لیکن محبت وعشق کے کوچہ سے واقف نہ تھی وہ مثل ان باکباز شریف زادیوں کی تھی کہ جو سوائے والدین کی اطاعت اور فرمانبرداری کے اور کچھ نہیں جانتیں۔ جونہی شجاع پہنچا اور خواص نے جاکر اطلاع کی کہ شجاع آیا ہے اس نے فوراً سادہ طور پہ اندر بلالیا بڑی خاطرداری کی اور آنے کا سبب دریافت کیا شجاع سوا اسکے اور کیا کہہ سکتا تھا کہ میں آپکی خیر و عافیت دریافت کرنے آیا ہوں۔ شریف میرا بڑا دوست ہے یہ نازیبا ہے کہ اسکے چلاجانے کے بعد میں آپکی حفاظت نکروں اور آپکے خانہ داری وغیرہ کی ضرورتوں کو پورا نکروں جیسے میں شریف کا خادم ہوں اسیطرح آپکا خادم بننا بھی مجھے فخر ہے جو کچھ کام یا جس قسم کی ضرورت آپ کو ہو آپ اپنا نیازمند دیرینہ سمجھکر ارشاد کیجئے ابتک سعیدہ کو کسی چیز کی ضرورت نہ تھی وہ کیا فرمائش کرتی۔ ابھی تک نہ سعیدہ کو یہ معلوم تھا کہ شجاع کس غرض سے آیا ہے نہ اس سیدھی سادی خاتون نے شجاع کی محبت بھری نگاہوں کی فطرت کو جانا تھا۔ جیسی سادی اسکی طبیعت تھی اسیقدر بلکہ اس سے بھی سادی اسکی وضع قطع تھی یہ درخواست سنکر سعیدہ شجاع کی بڑی تعریف کی اور کہا کہ حضرت مجھے ابھی کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے انشاءاللہ جس چیز کی ضرورت ہوگی بے تکلف عرض کر بھیجوں گی۔

شجاع۔ صرف اس قدر آپکے ارشاد نے آپکی محبت کے سچے نقوش میرے لوح دلپر منقش کردیے ہیں آئندہ میں اُمید کرتا ہوں کہ یہ اتحاد رشتہ مضبوط ہوگا اور پھر مجھے یہ کہنے کا موقع ملیگا کہ میں سعیدہ بانو کا پیارا ہوں مجھے اس عصمت پناہ خاتون سے دلی موانست ہے اور وہ مجھپر اپنی جان فدا کرتی ہے۔

یہ سنتے ہی سعیدہ چونکی اور اسے یہ آخری فقرہ کھٹکا۔ اپنی اس سادہ وضع سے یہ کہنے لگی۔ یہ آپنے کیا فرمایا میری سمجھ میں نہیں آیا میں نہیں چاہتی کہ آپ مجھے اسبارہ میں مشہور کریں کہ سعیدہ مجھپر مرتی ہے۔ بیشک اس یقین کرنیکے لئے میں مستعد ہوں کہ آپ میرے باپ کے دوست ہیں لیکن اس اقرار کرنے میں مجھے تامل ہے کہ آپ سے میری بھی موانست ہے میں آپکو صرف اسقدر جانتی ہوں کہ آپ میرے والد کے دوست ہیں اور میں کچھ نہیں جانتی۔ برائے خدا آپ یہ لفظ پھر زبان سے نہ نکالئے گا مجھے ڈر ہے کہ کہیں میرے باپ کی آنکھیں مدا سی ہوگی شجاع کو

یہ باتیں اسقدر ناگوار معلوم ہوئیں جتنی کہ شجاع کی باتیں سعیدہ کو بُری لگیں تھیں۔ یہ رد کھاپن بھی نوجوان کو زہر لگا پہلے تو وہ خاموش ہو رہا لیکن بعدازاں وہ یہ کہنے لگا کہ جو کچھ آپ نے فرمایا وہ میری تقریر کے مفہوم سے بالکل متغائر تھا۔ نہ میں نے اپنی تقریر میں کوئی لفظ تھا نہ میرا مطلب تھا جو تم سمجھ گئیں۔
سعیدہ۔ بات کا ٹکرا اور کسیقدر ٹالنے کے طور پر نہیں نہیں میں نے کچھ ایسا نہیں کہا کہ جس سے آپکو صدمہ پہنچے جو کچھ میں نے عرض کیا وہ صرف میری اور آپکی عزت بچانے پر بنی تھی۔ بس اور کچھ نہیں میں آپکو اپنے باپ کی برابر جانتی ہوں۔ یہ آخری فقرہ سعیدہ کا شجاع کو زہر معلوم ہوا وہ جل گیا اور اسکے یہاں بیٹھنا بھی ناگوار گذرا شجاع فوراً اُٹھ بیٹھا نہ قہوہ کی پیالیاں پیں اور نہ چا پی۔ ہرچند سعیدہ نے کہا بھی مگر ایک نہ سنی اور اُٹھ کر چلا آیا سعیدہ چونکہ سمجھدار اور فہیم تھی اور شجاع کی تیوری کو تاڑ گئی اور اسی تحقیق ہو گیا کہ یہ مجھے نظر بد سے دیکھتا ہی یا نکاح کرنا چاہتا ہی جسکی درخواست میں کبھی منظور نہیں منظور کرینگی میں سیدانی ہوں معمولی مغل بچہ کو اپنا خاوند بنانا جائز نہیں جانتی۔ یہ تو سعیدہ کے خیالات تھے مگر شجاع نے دوسری خلاف تہذیب اور خلاف دوستی چلنی چاہی اس نے قطعی ارادہ کر لیا کہ میں جبراً سعیدہ کو اپنے قبضہ میں لاکر رہونگا۔
گھر پر آیا اپنے فوجی دوستوں کو جمع کیا۔ سب نے دلیری سے کہا کہ ہم آٹھ دس آدمی منتخب ہو کر شب کو چلیں گے اور سعیدہ کو جبراً اپنے ساتھ گھر پر لے آئیں گے کوئی بات ہی نہیں ہی وہ بہت آسانی سی قبضہ میں آسکتی ہی باہم مشورہ کر کے ٹھان لی کہ آج کے تیسرے دن اپنی مطلب برآری کی تدبیریں کرینگے۔ تاریخ مقررہ پر دو بجے شب کو آٹھ جوان آہن پوش نواں شجاع سعیدہ کے مکان پر لیکر پہنچا یہ مکان کچھ ایسا قلعہ تو تھا ہی نہیں کہ انہیں اسپر چڑھنے کی دقت ہوتی چھوٹی چھوٹی دیواریں اور معمولی دروازہ پر پہراتی پہرہ دے رہے تھے اور چار بڈھے سوتے تھے۔ شجاع مکان کے پیچھے کی دیوار کے نیچے آیا جہاں کوئی آدمی نہ تھا۔ چار آدمیوں کو تو نیچے کھڑا کیا تاکہ وہ گھوڑونکی حفاظت کریں اور مع شجاع کے چار آدمی کمند ڈالکر مکان پر چڑھے اور آسانی سے نیچے اوتر آئے۔ سعیدہ بےخبر سوتی تھی خواصوں کے پلنگ اسکے گرد بچھے ہوئے تھے تمام گھر میں کوئی مرد نہ تھا چاندنی خاصی کھل رہی تھی کوئی مرد کہ نام کا پانچ برس کا بچہ بھی نہ تھا جب شجاع اپنے تین ساتھیوں سمیت منڈیر پر آکر بیٹھا اور پرشوخ نگاہوں سے سعیدہ کی طرف دیکھا اسوقت اسکی خوشی کا عالم وہی دل جان سکتا ہی جسکو کچھ محبت سی مناسبت ہی جس نے مدتوں کی آرزوں اور منتوں مرادوں کے بعد اپنے مقصد کی صورت دیکھی ہو چاروں آدمی آہستہ آہستہ نیچے اوترے اور ان سب پلنگوں کو گھیر لیا جنپر سعیدہ بالتواتی خواصوں کے لیٹی ہوئی تھی

کررہی تھی اسے کچھ خبر نہ تھی کہ میرے سرہانے کیا ہو رہا ہے وہ کیا جانتی تھی کہ آنکھ کھولتے ہی میں کیا صورت دیکھونگی جس صورت میں اس نے آرام کیا تھا اسکی نقاب کسیقدر چہرہ سے سرکی ہوئی تھی چہرہ کی روشنی اور پھر چاندنی کی چمک اور بھی شجاع کے شوق کو دونا کررہی تھی۔ شجاع اپنی خوش قسمتی کی مرحبا و صد مرحبا کی صدائیں بلند کررہا تھا اور اب اس یقین کرنے میں کوئی بات بھی باقی نہ تھی کہ سعیدہ قبضہ میں آچکی اب شجاع کو یہ گوارا نہیں ہوا کہ میں کسی اپنے دوست سے اسے جگانے کی تحریک کراؤں بلکہ یہ آپ جھکا اور اس نے آہستہ سی سرکی ہوئی نقاب کو اور بھی اُس کے چہرہ پر اینچ دیا پھر بھی اسے خبر نہ ہوئی دوبارہ شجاع نے ایک خواص سے چٹکی لی وہ بلبلا کر اُٹھ بیٹھی۔ اُٹھتے ہی وہاں اور ہی صورت نظر آئی۔ وہ چیخنے کو تھی کہ شجاع نے زور کی آواز میں کہا (تلوار گھسیٹ کر) خبردار اگر تو نے چوں بھی کی تو ابھی گردن کاٹ لونگا۔ وہ کھسک کر چکی ہو رہی اور اسپر ایسا خوف طاری ہوا کہ آنکھیں کھولے کی کھولے رہگئی اس عرصہ میں معہ سعیدہ کے سب جاگ گئیں اور انمیں کھلا بلی پڑی۔ سعیدہ نے اپنے باپ کے دوست شجاع کو بخوبی پہچان لیا نہ صرف صورت کو بلکہ اسکے دلی منشا کو بھی تاڑ گئی تھی مگر وہ صابر خاتون اٹھ بیٹھیں اور آہستہ شجاع سے کہا کہ آہا آپ تشریف لائے ہیں آیئے بیٹھیے خانم (ماما کا نام) ذرا حضرت کیلئے چار تو بنا لو۔ شجاع نے مسکرا کر کہا کہ اس مکان میں میری چار پینے کا وقت ختم ہو گیا اے حسینہ خاتون بہت جلد اٹھ اور میرے ساتھ چل مجھے ڈر ہے کہ تساہل کوئی حسرت ناک صورت پیدا کرے۔ یہ سُنتے ہی سعیدہ اُٹھ بیٹھی اور کہا کہ کیا تم مجھے لینے آئے ہو شجاع نے کہا ہاں میں لینے آیا ہوں۔

سعیدہ کیا آپ مجھے اجازت دیں گے کہ میں اپنا زر و جواہر کا صندوقچہ کمرہ میں سے لے آؤں۔

شجاع۔ بہت خوشی سے۔ بیشک تم جاؤ اور اپنے قیمتی کپڑے نقد روپیہ اور زر و جواہر کا صندوقچہ لے آؤ۔

سعیدہ دوڑتی ہوئی اندر گئی اپنے باپ کی بغدادی عربی تلوار نکال لائی یہ وہ تلوار تھی جو حضرت زین العابدین کے پہلو میں کسی زمانہ میں لٹکتی تھی اسکو بڑی عزت اور ادب سے شریف رکھتا تھا اکبر کو بھی خبر نہ کی تھی نہیں ضرور وہ لے لیتا۔ شریف اپنی اور اپنی پیاری بیٹی کی جان سے زیادہ عزیز اس تلوار کو رکھتا تھا۔ جوں ہی شجاع کی نظر اپنی مطلوبہ پر پڑی کہ اسکی آنکھوں میں غضب انگیز طیش کے شعلے بھڑک رہے ہیں اور وہ خونخوار صورت میں جنگ کرنیکو تیار ہے وہ ڈر گیا۔

سعیدہ نے کو ٹھڑی نما کمرہ سے نکلتے ہی کہا اے بدبخت تو محبت کرتا ہے یا قزاقی کرتا ہے تجھے افسوس اس فقرہ کا بھی ذرا پاس نہوا جو میں نے تجھے کہا تھا کہیں آپ تو اپنے باپ کے برابر جانتی ہوں کیا یہی سبب ہے کہ باپ کی دوستی اسکی

شاید تھی کہ تو یوں قزاقانہ میرے گھر میں نامردوں کی طرح چلا آئے اور مجھے اپنے گھر لیجاتے پر مجبور کرے خیر اب معلوم ہوا کہ یہاں تیری قضا لائی ہے۔ دیکھ لے یہ تلوار جو میرے ہاتھ میں ہے حضرت زین العابدین کی تلوار ہے جسنے تجھ ایسے بدکیشوں کے لاکھوں سر اڑائے اور ہنوز خون کی اسیطرح پیاسی ہے۔

**شجاع** آگ بگولا ہوکر غرض یہ ہے کہ تو اپنے ساتھ اپنے بیگناہ خواصوں کو بھی ہلاکت میں ڈالیگی۔ افسوس صد افسوس تو یہ خوب سمجھ لے کہ اگر تو زندہ میرے ہاتھ میں آگئی تو تو میری بیگم ہے اور جو تو مردہ ہو کر ہاتھ آئی پھر بھی میں تجھے اپنے ہی مکان کے صحن میں دفن کرونگا۔

قصہ مختصر یہ کہ باہم لڑائی ہونے لگی چاروں جوان اس عربی خاتون پر حملہ کر رہے تھے۔ پھر بھی اس پر فتحیاب نہو سکے تین آہن پوش مارے گئے شجاع سخت زخمی ہوا اور سعیدہ بھی زخموں سے چور ہو کر گر پڑی خواصوں نے موقع دیکھکر اپنے گھر کا دروازہ کھولدیا اپنے سپاہیوں کو اندر بلالیا اور سارا ماجرا بیان کیا۔ وہ اور بھی ڈرے اور سمجھے کہ پھر دیکھئے کیا آفت آتی ہے۔ ان چار سواروں نے بڑی دیر تک رستہ دیکھکر اپنے گھوڑوں کو چھوڑ دیا اور آناً فاناً میں چھت پر چلے آئے چاندنی کھل رہی تھی انہوں نے یہ اور ہی سامان دیکھا بھاگنا چاہتے تھے کہ سپاہیوں نے ان چاروں کو گرفتار کر لیا علی الصباح اس مقدمہ کے اکبر نے پورے حالات سنے (خواصوں کی زبانی) فوراً شریف کو واپس بلوالیا اسکی بیٹی کی شجاعانہ کوشش اور عصمت بچانے پر دل سے آفریں کہی کئی ہزار روپے لڑکی کو انعام کے دیئے اپنے خاص طبیب علی کو مقرر کیا جس نے نوجوان شجاع اور سعیدہ کو بہت جلد اچھا کر دیا دوبارہ نئے سرے سے اس مقدمہ کی تحقیقات شروع ہوئی۔ اور سعیدہ کے اظہار لئے جو کچھ خواصوں نے بیان کیا تھا۔ وہی ہوبہو سعیدہ نے بیان کر دیا شجاع بھی جھوٹ نہ بولا اور سعیدہ کیساتھ ہمزبانی کی فیصلہ یہ ہوا کہ شجاع کمعہ اسکے چار ساتھیوں کے سزائے موت دی گئی اور شریف کی بیٹی کو خلعت فاخرہ دیکر رخصت کیا چند روز کے بعد اکبر نے حکیم ہمام کے ذریعہ سے نسبت بھیجکر اپنی شادی کر لی۔ اکبر کہا کرتا تھا کہ میرے محل کو اور مجھے اب شرف حاصل ہوا ہے یہ بغدادی خاتون وہی سیدانی میری بیوی تھی یہ واقعہ ہمیشہ یاد کر کے سعیدہ آنسو بہاتی تھی۔ اسلئے افسوس تھا تو یہ تھا کہ صرف میرے باعث سے اتنے نوجوان آدمیوں کے خون ہوئے ہیں **مصنفین صاحب** لکھتے ہیں کہ سعیدہ کو فطرت سے رحم کا بہت بڑا حصہ ملا تھا۔ وہ طبعی رحیم تھی اور رحم ہی میں رہنا پسند تھا۔ یہ جیسی صاف صورت اور صاف باطن تھی اسیقدر صاف گو تھی۔ تنہائی کی ہمیشہ شایق تھی اکبر کی اور بیویوں سے بہت کم ملا کرتی تھی۔ ہاں **سلیمہ سلطانہ** یا **جودھ بائی** سے کبھی کبھی مل لیا کرتی

تھیں جو اسکی عزت سیدانی ہونے کیوجہ سے بہت کرتی تھیں -
وقت
یہ اصل میں اکبر اور اسکی بیگموں کی مذہبی پالیسی سے موافق نہ تھی، اور بیگمیں جو امام مہدی یا بعض پیغمبر ٹھیرا دیتی تھیں اسسے یہ باتیں سُن سنکر نفرت ہوتی تھی اور صاف کہدیا کرتی تھی اس چندروزہ زندگی پر اگر ہم سے اتنا بڑا گناہ کیا کہ جسکا کفارہ ہو نہیں سکتا پھر ہماری اس عقل اور فہم پر لعنت ہی
ایک دن بقول ملمین کے سلیمہ سلطانہ نے دریافت کیا کہ شاید تم اپنے شہنشاہ خاوند اکبر سے محبت نہیں رکھتیں حالانکہ اکبر کی توجہ تمپر خصوصیت سے بیدل تھی اور وہ نسبتہً تمہیں عزیز بھی رکھتا ہی
سعیدہ۔ دانتوں میں اُنگلی دیکے یہ کیا اور میری ہستی کیا شہنشاہ کا کرم ہے کہ مجھپر وہ اسقدر عنایت رکھتے ہیں ورنہ میں انکی لونڈیوں کے برابر بھی نہیں ہوں من آنم کہ من دانم کا مضمون ہی میری ایسی معزز خاوند پر جان فدا ہی یہ تم نے کیا دیکھکر کہا۔ ابھی اگر وہ ارشاد کرے تو میں جان دینے کو موجود ہوں -
سلیمہ سلطانہ جب یہ بات ہی پھر کیا وجہ ہی کہ تم اسکی مہدیت یا نبوت پر یقین کیوں نہیں لاتیں -
سعیدہ - یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ میں خدا کی بات کو جھوٹ سمجھوں جسکی مٹھی میں میری جان ہی میں اپنی معزز خاوند کی یا ہی حد تک طیع و اطاعت کر سکتی ہوں جتنی کہ مجھے میرے سچے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہی چونکہ نبوت ہماری نبی پر ختم ہو چکی ہی اسلئے اگر کوئی دعوی کرے وہ کاذب ہی مہدیت بھی مطلق اکبر میں نہیں پائی جاتی جو وضع اور نقشہ ہمارے نبی صلعم نے کھینچ کر بتایا ہی اسمیں اور اکبر میں بہت بڑا فرق ہی"
ان باتوں اور خیالات سے صاف ظاہر ہی کہ اُسے اپنے ایمان اور دین کا کتنا پاس تھا اور وہ اپنے پاک خیالات کے آگے اکبر کی کچھ بھی حقیقت نہ جانتی تھی۔ رفتہ رفتہ سعیدہ میں شاعری کا مذاق بھی ہو گیا تھا مگر عموماً شعر عربی زبان میں کہا کرتی تھی۔ اسکا بہت سا وقت تنہائی یا شاعری میں گزرتا تھا کبھی کسی کی مدح میں ایک مصرع بھی نہ کہا۔ صرف حمد اور نعت میں اپنی طبیعت کی روانی نثار کرتی تھی -
اس کے اشعار اکثر اکبر پڑھا کرتا تھا اور اُسے بہت پیارے تھے بعض مورخوں نے لکھا ہی کہ اکبر بھی ترکی زبان میں بعض بعض وقت کوئی کوئی شعر موزوں کر لیا کرتا تھا مگر یہ بات محض غلط ہی اس نے کبھی شعر کہنا نہ شعر کہنا چاہا کیونکہ شاعری اور شاعر کو فضول جانتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ علاوہ اور فضول کاموں کے یہ دو کام بھی محض فضول ہیں کے جنکا کوئی نتیجہ ہی نہ کوئی فایدہ ہی۔ ہاں یہ بات بیشک تھی کہ فرصت کے وقت بہت شوق سے دوسروں کے اشعار سنکر انکی داد دیتا تھا۔ یہ کبھی نہیں ہوا کہ اشعار پر یا کسی تعریفی قصیدہ پر کچھ دیدیا ہو زبانی تعریف کبھی ممکن تھی ہاں یہ نہ تھا کہ فضول امرا کی طرح سے اپنی تعریفی اشعار پر ہزار ہا روپیہ دیدیں اور مفلس ہو جائیں -

سعیدہ کی رفتار میں سادگی لطافت پاکیزگی۔ مطالب کی بندش۔ معانی کی چستی عبارت کا تسلسل الفاظ کی نشست اعلیٰ درجہ کی ہوتی تھی۔ جو عادتیں کہ سعیدہ میں تھیں بہت سی عربی طریقہ اور وضع کی تھیں جسمیں ہندی عادتوں سے بہت تفاوت تھا۔ سعیدہ کے تمام جہان کے شوقوں میں ایک شوق بہت بڑا تھا اور اس بیچاری نے آخرالامر اسی میں جان دی جس افسوسناک واقع کی نسبت جلال الدین شیرازی نے افسوسناک نظم میں لکھا ہی سنہ ۱۵۹۰ء میں اکبر سے اجازت لیکر اپنے بیٹے مراد کے ساتھ الہ آباد گنگا اور جمنا کا معانقہ دیکھنے آگرہ سے تشریف لیگئی یہ وہ مقام ہی کہ جہاں جمنا گنگا ملکر ایک ہوگئی ہی واقعی مقام نہایت پر فضا ہی اور دیکھنے کے قابل ہی یہ معانقہ ہندوئں کا بہت بڑا معابد ہی بڑے بڑے سیاح اس خوش نظارہ کو دیکھنے آتے ہیں یہاں گنگا کا پاٹ بہت بڑا ہوگیا ہی۔ آفتاب کی الوداعی خونی کرنیں غروب ہوتے وقت کیا ہی بھلی لگتی تھیں مراد کے ساتھ کشتی میں بیٹھی ہوئی سیر کر رہی تھی کئی خواصیں اور خدمت گارنیاں موجود تھیں کشتی آہستہ آہستہ چل رہی تھی دریا بھی خوب زوروں پر تھا سعیدہ اور مراد کی ڈوریاں پڑی ہوئی تھیں ایک گرفتار شدہ مچھلی کے کباب ہو رہی تھی۔ آفتاب عنقریب غروب ہونے کو تھا ہوا بھی بھینی بھینی اور خنک خنک چل رہی تھی۔ فطرت کا خوشنما نظارہ جان تن کو بڑھا رہا تھا کہ اسی اثنا میں ایک بڑی مچھلی نے جو اس سے پہلے اس دریا میں کبھی نہیں دکھائی دی ٹکر ماری۔ ادھر ٹکر لگنا تھا کہ چشم زدن میں کشتی اوندھی ہوگئی صرف مراد تو بچا باقی بہترا جال ڈلوایا لیکن کہیں سعیدہ کی نعش کا پتہ نہ نکلا اور سب خوامیں نکل آئیں (مردہ) اکبر نے اس صدمہ ناقابل برداشت اپنا خونی لعنت ڈالا اور مراد پر بھی سعد غم کا پہاڑ ٹوٹا اگرچہ مصاحب نہ روکتے تو وہ خودکشی کر لیتا۔ اس بیچاری عصمت پناہ کی جان بیکسی میں ضائع ہوئی۔ فقط۔ اکبر کی ان کے علاوہ اور بھی بہت سی حرمیں اور بیگمیں تھیں چونکہ ان کے حالات تاریخ میں نہیں ملتے اس لیے ناظرین سے معافی مانگ کر اکبر کی بیگموں کا سلسلہ بھی یہیں ختم کیا جاتا ہے۔

## اکبر کے دربار کے نورتن

### ابوالفضل وزیر اعظم اور وزیر جنگ

ابوالفضل جسکی شہرت تمام مشرقی اور مغربی دنیا میں ہی ایک عجیب نابغ کا آدمی تھا۔ یہ اصل میں یمنی نژاد تھا سنہ ۹۵۸ ہجری میں پیدا ہوا تھا اسکا باپ شیخ مبارک ایک فاضل اجل شخص تھا جو کچھ ابوالفضل نے حاصل کیا وہ اپنے باپ سے پندرہ برس کی عمر میں ابوالفضل فارغ التحصیل ہوگیا تھا اس نے خود اپنی تعلیم کی کیفیت لکھی ہے۔ جب ابوالفضل کے باپ کا انتقال ہوگیا تو ابوالفضل نے

اپنے باپ کی قرآنی تفسیر کو جو کچھ رہ گئی تھی پورا کرکے اپنے دوستوں میں تقسیم کردی کسی نے اکبر کو یہ سمجھادیا کہ خطبہ میں حضور کا نام درج نہیں ہوا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ملازادہ کے دل میں حضور عالیجاہ کی عزت نہیں ہے۔ اکبر ابو الفضل سے ناراض ہوگیا اسپر ابو الفضل نے ایک قطعہ اکبر کو لکھکر بھیجا اور ایک آیت کی تفسیر بھی اکبر کے نام کی لکھدی چونکہ اس قطعہ سے اکبر کا غصہ ابو الفضل کا عذر اسکی تعلیم کی کیفیت کھلتی ہے اسلئے درج کیا جاتا ہے **قطعہ** منت خدا را کہ گہر ہائے شاہوار + کز تاب میکنند بانجم برابری + زالماس کلک سفتہ در سلک انتظام + آوردہ آنچنانچہ خوش آید بجوہری + از قدر در خورست کہ ہر جوہری از آں + سازند گوشوارہ خورشید خاوری + بہر نثار شاہ کہ گوہر شناس عقل + چوں او دے ندیدہ بپاکیزہ گوہری + سلطان عہد اکبر غازی کہ بر سپہر + خورشید کسب کے داز ذرہ پروری زر بخش خسروی کہ زافراط جود اوست + خورشید عاجز از عمل کیمیا گری + در عہد او نہ بکہ ہنر را رواج شد + عیب ست ہر چہ ہست بغیر از ہنروری + از من عہد بادشاہ دجہد دوستا طبعم نمود یاری و توفیق یاوری + دہ سال پنج پیش پدر کا فریں برو + تحصیل کردہ ام ز علوم مقرری + دود چراغ خوردہ شب آوردم بزور + معدوم از نماند دماغ مراتری + شاہا منم کہ بعد ہزار از روئے دل + بختم نمودہ سوئے جناب تو رہبری + دارم خیال آنکہ دماغ امید من + از عطر التفات تو یابد معطری + دست مرا بگیر کہ دستم ز کار رفت + در بحر رنج بسکہ نمودم شناوری + آن چشم دارم از نظر بندہ پرورت + کز عین التفات بریں تحفہ بنگری + تفسیر دل نشست موشح بنام شاہ + تاریخ نام او شد تفسیر اکبری +

جونہی یہ قطعہ اکبر نے دیکھا ابو الفضل کا قصور معاف کردیا اور گوناگوں عنایات مبذول کیں۔

ابو الفضل ایک بہت بڑا فلسفی تھا اور اسی لئے اسکا دماغ ملانوں کی طرح ٹھوس نہ تھا جس بات میں رائے دیتا تھا وہ فضلا کی جماعت میں بڑے افتخار اور قدر سے قبول کرلی جاتی تھی۔ ابو الفضل نے اپنے سگے اور سوتیلے بھائیوں کی تعریف لکھی ہے نہ صرف ابو الفضل نے بلکہ باہم ایک دوسرے کی مداح سرائی کرتے ہیں اس سے معلوم

ہوتا ہے کہ یہ کیسے لایق اور شریف تھے اور ان کو باہم کیسی اعلیٰ درجے کی تعلیم ملی تھی۔ کیونکہ شیخ مبارک اگرہ میں سائنس اور فلسفہ کا ایک زمانہ میں پروفیسر تھا۔ مبارک پہلے سنی المذہب تھا پھر یہ شیعہ ہوگیا اور آخر فلسفہ کی کتابوں کا مطالعہ کرتے کرتے آزاد خیال بن گیا۔ جب لوگوں کو یہ ظاہر ہوا کہ شیخ مبارک دہریہ ہوگیا ہے اونہوں نے سپر شور غل کیا اور چاہا کہ اسکو قتل کرکے غازی بنیں کے مگر یہ اپنی جان بچانے کے لئے معہ کنبہ آگرہ سے بھاگ گیا۔ بظاہر اس کے بیٹے وہیں چھپے رہے کیونکہ وہ تمام ارکان اسلام ادا کرتے تھے گو یا باطناً بقول ایلفنسٹن صاحب تاریخ ہند صفحہ ۵۳۳ وہ ہرگز مسلمان نہ تھے۔ فیضی ابو الفضل سے بڑا تھا تاہم اس نے ابو الفضل کی بڑی تعریف کی ہے جس کو ابو الفضل نے خود نقل کیا ہے۔ فیضی کے قصیدۂ فخریہ میں سے چند اشعار لکھے جاتے ہیں۔ اشعار جائے از بلندی و پستی رو دسخن + از آسمان سر آمدو واز خاک کمترم + بایں چنیں پدر که توشتم مکارمش + در فضل مفتخر زگرامی برادرم + برہان عقل و فضل ابو الفضل کر دمش + وار در زمانہ مغز معانی معطرم + صد ساله رہ بیان من واوست درکمال + در عمر از و دو سالہ فرزون ترم + در چشم باغیان نشود قدر او بلند گر از درخت گل گذرد شاخ عرعرم + ابو الفضل کے مفصلہ ذیل بھائی تھے۔

فیضی ۹۵۴ ہجری میں پیدا ہوا جس کا ذکر آئندہ مفصل آئے گا دوسرا بھائی شیخ ابوالبرکات ۷ شوال ۹۶۰ ہجری میں پیدا ہوا۔ یہ شخص سپاہیانہ روح او فقیر پرستی میں بڑا مذاق رکھتا تھا۔ اور اسکا اکثر وقت شکار اور فقیروں کی صحبت میں صرف ہوتا تھا۔

تیسرے شیخ ابوالخیر جو ۲۲ جمادی الاول ۹۶۷ ہجری میں پیدا ہوا۔ یہ شخص اپنی صداقت میں مشہور انام تھا۔

چوتھے شیخ المکارم جس کی پیدائش دوشنبہ ۲۳ شوال ۹۷۶ ہجری کو ہوئی نوجوانی میں ابو الفضل کا یہ بھائی بڑا بیچپن تھا۔ ادھیڑ عمر میں پھر صلاحیت کی طرف مایل ہوا اپنے باپ سے معقول و منقول پڑھی اور کسی قدر امیر فتح اللہ شیرازی سے

ی تعلیم حاصل کی۔
ھویں شیخ ابو تراب اوسکی ولادت بروز جمعہ ۲۳ ذی الحجہ ۹۸۸ھ ہجری کو ہوئی۔ یہ
افضل کا سوتیلا بھائی تھا اس کی تعریف ابو الفضل نے اپنی تصنیفات میں بہت کی ہی
ٹھے شیخ ابو الحامد اسکی پیدائش روز دوشنبہ سوم ربیع الآخر ۱۰۰۱ھ ہجری کو
قوع میں آئی۔
دونوں بھائی ابو الفضل کے سوتیلے تھے کل آٹھ بھائی تھے جنہیں سے دو بھائیوں نے
بر کے دربار میں بڑے بڑے عہدہ حاصل کئے۔ لیکن پھر بھی یہ سب بھائی اول درجہ کے
اہل اہل تھے اوران میں ایک دوسرے سے چڑھا بڑھا تھا۔ ابو الفضل نے جو کچھ تعلیم
اصل کی وہ علاوہ علمی ہونے کے ذہنی اور اخلاقی بہت تھے یہ پہلے ادنیٰ درجہ کے عہدہ
ر مقرر ہوا اور رفتہ رفتہ ترقی کرتے کرتے بڑے عہدہ وزارات پر پہونچ گیا۔ الفنسٹن صاحب
پنی تاریخ ہند صفحہ ۵۰۳ میں لکھتے ہیں کہ ابو الفضل اکبر کو نہ صرف اپنی قابلیت دماغ اور
فلسفیانہ مسائل سے خوش کرتا تھا بلکہ سلطنت کے کاموں میں مدد دیتا تھا گویا ایک ہی
تمام سلطنت کے کاروبار چلانے کی کل تھا۔ ابو الفضل کو پرایم منسٹری۔ یعنی وزیراعظم
کا بھی عہدہ تھا اور وزیر کا بھی عہدہ تھا اور وزیر جنگ بھی بنا دیا گیا تھا۔ جس نے
آئین اکبری دیکھی ہے وہ سمجھ سکتا ہے کہ ابو الفضل کو حیوانات کا کسقدر علم تھا نہ صرف
حیوانات کا بلکہ تمام جہان کے علوم فنون اور قوانین ملکی پر وہ ایسا ہی حاوی تھا گویا
قدرت نے ابسے اسی لئے پیدا کیا تھا۔ ایک دن اکبر نے مسیحی پادریوں یہودیوں
مجوسیوں مسلمانوں برہمنوں کو جمع کیا اوران سے مباحثہ کی ٹھہرائی مسیحیوں کا
سرغنہ ردیف پادری تھا جسکو مسٹر بلوچمین نے مسٹر ریڈ ریف لکھا ہے۔
مسیحوں نے اپنا سر پنچ ابو الفضل کو بنایا اب بحث ہونی شروع ہوئی خوب بحث ہوئی
مگر کچھ فیصلہ نہیں ہوا آخر پادریوں نے ایک خوفناک آگ روشن کی اور مسلمانوں سے
کہا کہ کیا تو ہم انجیل ہاتھ میں لیکر آگ میں چلے جاتے ہیں اور یا تم قران شریف لیکر
آگ میں گر پڑو۔ اور ہر مسلمان آمادہ ہو گئے اور تو تو میں میں ہونے لگی۔ جھک جھک

ہوتے ہوتے وقت بہت گذر گیا اور کچھ نہ کھلا۔ اکبر اس جھگڑے اور مذہبی بحث سے شاد
شاد ہوا جاتا تھا۔ پادری ردیف جو پرتگال کا رہنے والا تھا۔ اور پادریوں کا سرغنہ تھا۔
اکبر کو خوش دیکھکر بہت خوش ہوا اور یہ سمجھا کہ شاید مذہب مسیحی کی صداقت اس کے ذہن
میں جم گئی ہے۔ اسی لئے یہ بہت خوش ہوتا ہے پادری ردیف ابوالفضل کے پاس آیا
اور کہا کہ میں پہلے تمہاری دعوت مسیحی مذہب کی کرتا ہوں اور جب تم عیسائی ہو جاؤگے
تو اکبر کا مسیحی ہو جانا کوئی بات ہی نہیں ہے۔ یہ سنکر ابوالفضل بہت ہنسا اور کہا
پادری صاحب آپ اپنے دین کو اپنے ہی سینوں تک رکھئے اور اپنے ہی گرجوں میں
مقید رکھئے ہمارا شہنشاہ مذہبی گفتگو کا شایق ہے وہ متعصب نہیں ہے ملکی حالت میں
سب کو ایک نظر سے دیکھتا ہے۔ آیندہ ایسی بات زبان سے نہ نکالنا۔ پادری ردیف
یہ سنکر بغلیں جھانکنے لگے اور سوائے معذرت کے انہیں کچھ نہ بن آیا۔

ابوالفضل اکبر اور سلطنت کا اصلی خیر خواہ تھا۔ اپنی خیر خواہی اور عالی طبیعتی اور حسن انتظام
سے اکبر کا دل اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ جو ملکی معاملات میں اکبر کو مشورہ دیتا اکبر اسے
قبول کر لیتا۔

ابوالفضل کبھی اکبر کے کسی بیٹے کو آگرہ میں زیادہ نہ رہنے دیتا تھا۔ جہاں کسی بیٹے نے عرضی
بھیجی کہ بندہ کو اتنی مدت ہوئی اب میں چاہتا ہوں کہ حضور کی قدمبوسی سے فیضیاب ہوں
اسکا جواب ابوالفضل لکھدیتا تھا کہ حضور بندگان عالی متعالی کی بھی طبیعت چاہتی ہے
کہ اپنے نور چشم کے دیدار سے اپنا دل خوش کریں مگر امور سلطنت اور پولیٹکل پیچیدگیاں مجبور
کرتی ہیں کہ ہم تمہارے دیدار سے اور چندے باز رہیں ابوالفضل کی شہزادوں کو دارالخلافہ
سے دور رکھنے کی یہ غرض تھی کہ یہ کہیں عیش طلب نہو جائیں اور اپنے باپ کے
خلاف امراسے سازش کرکے خلاف کار روائی نکریں۔ جہاں کسی شہزادہ نے ایک
مہم سے فراغت پائی ابوالفضل نے دوسری مہم پر دور دراز فاصلہ پر روانہ کر دیا
اس کارروائی سے سب شہزادے ابوالفضل سے جلتے تھے سب سے زیادہ شہزادہ
سلیم جانی دشمن تھا جو بعد ازاں جہانگیر کے نام سے مشہور ہوا۔

جہانگیر نے اپنی سوانح عمری یعنے جہانگیر نامہ میں خود لکھا ہے کہ یہ ملعون (یعنے ابوالفضل) ہماری طرف سے حضرت جنت آشیانی کی طبع اقدس کو منغص کرتا رہتا تھا۔ اسی سبب میں نے نرسنگھ دیو کو حکم دیکر قتل کروا ڈالا۔

اس سے صاف ظاہر ہے شہزادے خصوصاً جہانگیر ابوالفضل سے کیسا جلتا تھا اور اسے کیسی جانی دشمنی تھی جہانگیر خوب جانتا تھا کہ ابوالفضل سے بہتر پرائم منسٹر اکبر کو نہیں ملنے کا مگر پھر بھی اس نے اس کے قتل کروا ڈالنے میں ذرا تامل نہ کیا۔ بظاہر ابوالفضل کے ہاتھ تمام ملک پر اسقدر پھیلے ہوئے تھے کہ یہ صاف معلوم ہوتا تھا کہ اگر اکبر کا انتقال ہوگیا تو یہ محض ناممکن ہے کہ ابوالفضل کے آگے کوئی اور شہنشاہ بنتا۔ یہ خیال شاید جہانگیر کا درست ہو۔ مگر ابوالفضل کی ہرگز یہ نیت نہ تھی نہ اس نے کبھی چاہا۔ اکبر کی زندگی میں میں یہ دو تین خونخوار حسرت ناک سانحے ایسے گذرے تھے کہ جنہوں نے اکبر کی کمر کو دہورا کر دیا اور پھر اُسے اپنی زندگی بھی پیاری نہ رہی۔ یہ ہولناک اور دل گداز واقعہ جو ابوالفضل کے ساتھ گذرا ہم درج کرتے ہیں کہ ابوالفضل کیونکر مارا گیا اور کس بیکسی کی حالت میں اسکا قتل ہوا۔

اکثر درباری جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں ابوالفضل کے دشمن ہوگئے اور اسکی وجہ یہ تھی کہ ابوالفضل نے ادنیٰ عہدہ سے اعلیٰ عہدہ پرائم منسٹری کا حاصل کر لیا تھا۔ یہ چرچہ ہوا کرتا تھا کہ ایک طالب علم کو وزیر جنگ بنا دیا اکبر کی کم عقلی کو دیکھئے کیا کیا نتیجے پیدا کرتی ہے کیسا ہی آدمی مستقل مزاج اور سخت ہو لیکن پھر بھی لوگوں کی خواہمخواہ کی یورش بری ہی معلوم ہوتی ہے۔

اکبر کا چھوٹا بیٹا مدت سے دکن میں گرم جنگ تھا مگر کچھ نتیجہ حاصل نہوا آخر اکبر سے ابوالفضل نے عرض کیا اگر حضور حکم دیں تو میں بہت جلد قلعہ فتح کر لوں۔ پہلے اکبر نے انکار کیا لیکن جب ابوالفضل نے بہت ضد کی تو اکبر نے اجازت دیدی۔ یہ ادھر روانہ ہوا۔ یہاں پہلے ہی جہانگیر اکبر سے ناراض الہ آباد میں بیٹھا ہوا تھا۔ جب اکبر بذات خود دکن کی مہموں میں مشغول تھا تو جہانگیر نے یہ موقع ہاتھ پیر مارنے کا اچھا دیکھا وہ پہلے

دارالخلافتہ کی طرف بڑھا مگر آگرہ کے گورنر کے آگے اپنی دال گلتی نہیں دیکھی سیدھا الہ آباد پہنچا اور بہت آسانی سے اس شہر پر قبضہ کر لیا خزانہ بھی جسمیں تیس لاکھ روپیے تھے وہ جہانگیر کے دست تصرف میں آگیا۔ اکبر کو اپنے بیٹے کے کرتوت معلوم ہوئے اسنے ایک خط نافرمان اور سرکش بیٹے کو لکھا کہ جو کچھ تو کر رہا ہے تو کیا نہیں جانتا کہ اسکے بڑے نتایج تیرے لئے کیا ہونگے۔

سلیم نے اکبر کے اس خط کا جواب نہایت عاجزانہ دیا اور جب اکبر آگرہ کی طرف بڑھا تو جہانگیر راجپوتوں کی فوج لیکر اٹاوہ پر استقبال کے لئے موجود ہوا۔ گیا تو سلیم کی یہ غرض تھی کہ اپنے بوڑھے باپ سے ہمنبرد ہو یا فرمانبرداری کا اظہار کرے اکبر نے لکھ دیا کہ اگر تو ہمارے استقبال کے لئے آیا ہے تو تو تنہا آ اور نہیں الہ آباد واپس چلا جا سلیم نے آخر الذکر حکم پر عملدرآمد کیا اور راجپوتوں کی فوج لیکر الہ آباد واپس چلا آیا۔

اغلباً وہ باہمی معاہدہ سے واپس پھرا تھا۔ کیونکہ چند ہی روز بعد بنگال اور اڑیسہ سلیم کو بخش دیا گیا۔ یہ دونوں ملک لیکر جہانگیر خاموش ہو رہا۔ اس عرصہ میں جب ابوالفضل نے دکن فتح کر لیا تو کسی خاص ضرورت سے اکبر نے دکن ابوالفضل کے نام فرمان جاری کیا کہ تو اپنی جگہ اپنے بیٹے عبدالرحمن کو چھوڑ کر جریدہ حضور میں روانہ ہوا۔

ابوالفضل نے فوراً تعمیل حکم کی اور اپنے بیٹے عبدالرحمن کو چھوڑ کر روانہ ہوا۔ کل چھ آدمی ابوالفضل کے ہمراہ تھے۔ جہانگیر کو جو ہنوز الہ آباد میں مقیم تھا یہ خبر لگی کہ تمہارا دشمن تنہا چلا آرہا ہے یہ سنتے ہی سلیم کو اپنے دشمن پر قبضہ کرنیکا اچھا موقع ملا۔ کیونکہ وہ ہمیشہ اسی تاک میں لگا رہتا تھا فوراً راجہ نرسنگھ دیو راجہ اُرچا بندیلکھنڈ کو بلایا یہ راجہ بھی بغاوت میں جہانگیر کے شریک تھا۔ جب وہ حاضر خدمت ہوا تو سلیم نے اپنا عندیہ اس سے ظاہر کیا اور یہ کہا کہ اس موقع پر ابوالفضل نکل گیا تو پھر داؤں پر نہیں چڑھنے کا۔ اور جو یہ زندہ بجلسر اکبری دربار میں داخل ہو گیا تو خبر نہیں مجھپر کیا کیا نئی نئی آفتیں نازل کرائے گا۔ اس نے ہاتھ باندھکر سر جھکا دیا اور کہا جو کچھ حضور حکم کریں وہ کیا جائے۔ جہانگیر نے کہا بس سوا اس کے اور کیا حکم دے سکتا ہوں کہ تم دس ہزار راجپوت سوار لیکر روانہ ہو جاؤ اور رستہ ہی میں

اسکو جانو دھڑ سے کچھ غرض نہیں لیکن سر ضرور لیتے آنا۔
نرسنگھ دیو بند بلکھنڈی دس ہزار راجپوت لیکر روانہ ہوا اس عرصہ میں ابوالفضل اجین تک آگیا۔ مخبر نے خبر دی کہ نرسنگھ دیو اس راہ سے جہانگیر کا بھیجا ہوا آرہا ہے آپ ہوشیار ہوجاویں۔ ابوالفضل نے اس خبر کو کچھ وقعت کی نظر سے نہیں دیکھا نہ اسپر غور کیا کہ یہ مخبر کیا کہتا ہی۔ بلکہ چھ آدمیوں کو لیکر بیدھڑک آگے بڑھا۔ ابوالفضل قصبہ انتری اور سرائے کے درمیان گوالیار کے پاس پہنچا تھا کہ نرسنگھ دیو بند بلکھنڈی کی راجپوتی فوج کی برچھیاں چمکنے لگیں۔ جتنے ہمراہی تھے سب خائف ہوگئے اور انہوں نے ابوالفضل سے عرض کیا بہتر ہے حضور قصبہ انتری میں تشریف لیچلیں اور وہاں سے کچھ امداد بہم پہنچاکر نرسنگھ دیو سے مقابلہ کریں۔ ابوالفضل نے جواب دیا کہ یہ تو میں بھی جانتا ہوں کہ نرسنگھ دیو ہم سے کئی ہزار درجہ زیادہ ہے اور ہم کل سات آدمی ہیں مگر یہ نہ میرے لئے بلکہ میرے آقا کے لیے سخت توہین کی بات ہی کہ اسکا وزیر اعظم ایک قصبہ انتری وا نے سے عاجز ہوکر معاونت چاہے۔ بڑے بڑے موّرخوں نے ابوالفضل کے اس ناواجب خیال پر بہت بڑے بڑے اعتراض کئے ہیں ایک مورخ نے لکھا ہے کہ ملّانے پنے کی رگ زور کرائی تھی کہ وہ ایسا ضدی بن گیا ورنہ انتری والے سے طلب مدد ہونا کوئی نازیبا امر نہ تھا۔ وہ اپنی اس ہٹ دھرمی اور ضد میں رہا۔ اور اس نے انتری والے سے مدد نہ لی۔ یہانتک نرسنگھ دیو کی قہار فوج نے چاروں طرف سے ابوالفضل کو گھیر لیا۔ لاکھ کچھ بہادر اور شجاع زبردست ہو پھر بھی چھ سات آدمی کیا کر سکتے تھے۔
نرسنگھ دیو بند بلکھنڈی نے پہلے ایک راجپوت نوجوان کو حکم دیا کہ ابوالفضل کا سر کاٹ لا نوجوان راجپوت بھالہ پھیرتا ہوا آگے بڑھا اور ابوالفضل کے آگے کھڑا ہوا پہلے اس نے یہ کہا کہ آپ اگر اپنی جان کی خیر چاہتے ہیں تو ہتیار ڈالدیجئے ورنہ ابھی آپ کی گردن اُتاری جائیگی یہ بے ادبی اور گستاخی ابوالفضل کو بُری معلوم ہوئی پاس کھڑے ہوئے ہمراہی نے اس مغرور راجپوت نوجوان کو بھری ہوئی قرابین ماری۔ وہ نوجوان چاروں خانہ چت گر پڑا پھر دوسرا نوجوان آگے بڑھا۔ اس کو ابوالفضل کے سائیس امجد نامی نے قتل کرڈالا

یسرا نوجوان راجپوت غصہ میں آگے بڑھا یہ لوہے میں غرق تھا ایک کندھے پر فولادی
بزنی گرز اور دوسرے ہاتھ میں تلوار۔ اس راجپوت کے ہاڑ بھی زبردست تھے اور بہت
بوڑے چکلے تھے۔ اس نے بآواز بلند یہ آکر کہا ابوالفضل تیری وزارت کا زمانہ ختم ہو گیا
اگر تو اپنی جان بچانی چاہتا ہے تو فوراً ہتیار ڈالدے ورنہ تیرے جسم کو گھوڑوں کی
ٹاپوں سے روندوا دونگا ابوالفضل کو یہ سنکر غصہ آگیا اور وہ تلوار نکالکر آگے بڑھا۔
دو تین ہی ہاتھ ہوئے تھے کہ بہادر راجپوت کا سر ابوالفضل کے پیروں میں پڑا ہوا دکھائی
دیا۔ نرسنگھ دیو بندیلکھنڈی کو ابوالفضل کی اس بہادری اور دلیری سے خوف معلوم
ہوا اس نے ایک ہی بار سو راجپوت نوجوانوں کے پرے کو حکم دیا کہ سب ملکر ابوالفضل
پر حملہ کرو۔ بھلا کہاں سو آدمی اور کہاں سات۔ ابوالفضل معہ اپنے ہمراہیوں کے اس طرح
سمٹ گیا کہ جیسے خوفزدہ پرند سمٹ جاتے ہیں اور ساتوں نے جان توڑ کر حملہ کیا۔ ایک
ہی حملہ میں سو راجپوتوں کا پرا پریشان ہو کر بھاگا۔ نرسنگھ دیو نے جب یہ صورت دیکھی
اس کے ہوش اڑ گئے اور اب اسے مایوسی ہو گئی کہ میں ابوالفضل پر کیونکر قابض ہو سکتا
بہتر اور کوئی تدبیر نہ سوجھی کہ اپنی کل فوج سے پل پڑے جوں ہی بیس ہزار راجپوتوں نے
حملہ کیا ہے یہ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ ابوالفضل اور اسکے ہمراہی کہاں چلے گئے۔
یہی کیفیت تھی کہ جیسے آٹے میں نمک ملجاتا ہے اسی رستخیز حالت میں بھی ابوالفضل نے ۸۵
راجپوتوں کو تہ تیغ کیا ابوالفضل بے اندازہ زخم کھا کر گر پڑا ہنوز خاک پر پڑا ہوا سسک
تھا کہ نرسنگھ دیو نے سر کاٹ لیا یہ حسرتناک واقعہ بماہ اکتوبر ۱۶۰۲ء مطابق یکم ربیع الاول
سنہ ۱۰۱۱ ہجری کو ہوا۔ ابوالفضل کے مارے جانے کی خبر اکبر کے کانوں تک پہنچی شعر۔
شہنشاہ جہاں راز وفاتش دیدہ پرنم شد ✤ سکندر زشک حسرت ریخت کا فلاطون زعالم شد
جو نہی اکبر کو اس ہولناک اور حسرتناک سانحہ کی خبر پہنچی اس نے اپنی پگڑی اتار کر
پھینکدی اور کہا کہ جب میرا بازو ٹوٹ گیا پھر بھلا میری زندگی کا کیا مزا ہے۔ الفنسٹن
صاحب اپنی تاریخ ہند صفحہ ۵۲۰ میں تحریر فرماتے ہیں کہ اکبر اسقدر رویا کہ جیسے معمولی
آدمی روتے ہیں۔ اسکی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو ٹپک رہے تھے۔ اکبر اسقدر رویا کہ اسکی

ہچکی بھی بندھ گئی یہ صدمہ واقعی اکبر پر ایسا ہوا کہ اسکو اپنی زندگی کی زیادہ خوشی نہ رہی کئی دن تک اکبر اپنے محل میں نہ گیا۔ اکبر نے فوراً نرسنگھ دیو کے ملک پر فوج روانہ کی حکم دیدیا کہ اس کے شہر کی اینٹ سے اینٹ بجادی جائے اور اس کے بال بچوں کو بھی قتل کردیا جائے ایلفنسٹن صاحب لکھتے ہیں کہ اکبر نے اپنی عمر میں کبھی یہ حکم نہیں دیا تھا کہ فلاں سرکش کے بال بچوں کو بھی قتل کر ڈالنا۔ ہنوز اکبر کو یہ خبر نہوئی تھی کہ یہ سلیم کے کرتوت ہیں ورنہ اسکا غضب ضرور سلیم کی قسمت کو پامال کردیتا۔ کئی مہینے کے بعد خبر ہوئی اب کیا تھا غصہ سرد ہوچکا تھا۔ ایک مورخ یہ بھی تحریر کرتا ہے کہ جب نرسنگھ دیو ابوالفضل کا سر سلیم کے پاس لیکر پہنچا اس نے اسکا پر جوش دل سے خیر مقدم کیا اور اس سر کو سنڈاس میں ڈلوادیا۔

جس کی کیفیت سلیم نے اپنی کتاب میں لکھی ہے پرائس میمریز اف جہانگیر صفحہ ۳۳ میں ابوالفضل سے اسلئے سب سے زیادہ ناراض رہتا تھا کہ یہ اکثر اکبر کو مذہب اسلام کے بخلاف رائے دیا کرتا تھا اور کہتا تھا نہ نبوت کوئی چیز ہے نہ وحی کوئی چیز ہے۔ میرے پاس متواتر خبریں اس قسم کی پہنچتی تھیں۔ میں اپنا غصہ ضبط کرکے چپکا ہو رہتا تھا مگر جب میں نے موقع دیکھا اس کو جہنم واصل کردیا" یہ عبارت جہانگیر نامہ کی ہے۔ جو ہم نے بلفظ نقل کی ہے غرض کچھ ہوا اکبر کا بازو جہانگیر نے توڑ ڈالا۔ مراد اکبر کا منجھلا بیٹا پہلے ہی مرچکا تھا کہ ابوالفضل کا بعد دانیال کا کثرت شراب سے پھیپڑہ گل گیا اور وہ بھی راہی ملک بقا ہوا۔ ان متواتر صدموں نے اکبر کو ادھمواکردیا تھا۔ جہان اسکی آنکھوں کے آگے اندھیر تھا۔ غم آہستہ آہستہ اپنا اثر دل میں اندر ہی اندر کرتا چلا گیا اور اپنے جان نثاروں کے دو تین ہی برس بعد خود بھی اسی غم میں راہی ملک عدم ہوا۔

## اکبر کا دوسرا رتن

### ابوالفیض فیضی

یہ فاضل ابوالفضل سے ۵ برس بڑا تھا یہ ۹۵۴ ہجری مطابق ۱۵۴۷ء میں پیدا ہوا تھا۔ چودہ برس کی عمر میں اس نے عربی علوم تحصیل کرلئے اور پھر چار برس میں ایک فاضل

برہمن سے سنسکرت میں تعلیم پائی۔ اکبر کے دربار میں گو اور بھی کئی مسلمان تھے کہ جنہیں خاصی سنسکرت آتی تھی لیکن۔ **ابو الفیض فیضی** سنسکرت میں اعلیٰ درجہ کی قابلیت رکھتا تھا سنسکرت میں نظم لکھ لینا اس سے آگے کوئی بات نہ تھی۔ اکبر کی تخت نشینی کے بارہ برس بعد فیضی دربار میں حاضر ہوا اور اعلیٰ عہدہ پر ممتاز ہوا۔ اس کے چھ برس بعد ابو الفضل کو فیضی نے دربار میں پہنچایا۔

**فیضی** سنسکرت عربی شاعری پر ایسا حاوی تھا گو یا روز ازل ہی میں اسکی سرشت میں امیر ہو چکا تھا منطق سائنس فلسفہ میں اسکا کوئی ثانی نہیں تھا۔ جب اول اول دربار میں پہنچا ہے۔ تو اور اُمیدواروں کی طرح چاندی کے کٹہرہ کے باہر کھڑا کیا گیا یہ کٹہرہ دربار کمرہ کے احاطہ میں بنایا گیا تھا۔ اس کے اندر وہی عہدہ دار داخل ہو سکتے تھے کہ جو درباری تھے یا ارکان سلطنت تھے اور شخص کو تخت سے بہت دور کھڑا رہنا پڑتا تھا پاس آنے کی اجازت نہیں ملتی تھی۔

جب فیضی اس کٹہرہ کے پاس آکر کھڑا ہوا تو اس نے بدیہہ یہ قطعہ پڑھا۔ **قطعہ**

پادشاہا درون پنجرہ ام + از سر لطف خود مرا جا دہ۔ زانکہ من طوطی شکر خایم۔ جائے طوطی درون پنجرہ بہ + یہ بدیہہ قطعہ اکبر کو بہت پسند آیا اس نے فوراً کٹہرہ کے اندر بلا لیا اور نوازشات سلطانی سے سرفراز فرمایا۔

فیضی نے اپنے اخلاق حمیدہ سے نہ صرف شہنشاہ کو اپنا دوست بنا لیا تھا بلکہ تمام ارکان سلطنت اسکی قابلیت کی وجہ سے مرید ہو گئے تھے۔ اسکی تصانیف بہت اعلیٰ درجہ کی اور تعجب انگیز ہیں تینتیسویں برس فیضی کو ملک الشعرائی کا خطاب ملا۔ انتالیسویں برس فیضی نے بے نقط قرآن شریف کی تفسیر لکھی ہے۔ اس تفسیر سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اسکو عربی لغات پر کسقدر قدرت حاصل تھی اور یہ کیا بے تکان لکھے چلا جاتا تھا تفسیر دیکھکر فیضی کے علم ادب کی قابلیت بخوبی معلوم ہوتی ہے ایک سطر اپنی زبان میں بھی لکھنی مشکل ہے نہ کہ غیر زبان کے دفتر کے دفتر سیاہ کر دئے جائیں فیضی نے لکھا ہے کہ میں جب تفسیر لکھ رہا تھا تو مجھے لغت کی کتابوں کی ضرورت ہوئی تو دس ہزار روپیہ کی

کتابیں میں نے مول لیں اور سب کا مطالعہ کیا ان میں سے مجھے تین لغت لئے یہ تین لغت گویا دس ہزار روپے کی قیمت کے تھے اور قیمتی وقت اسمیں صرف ہوا وہ بہادیہ
مثنوی تلدمن تصنیف کی اس مثنوی سے اسکی شاعری کی جانچ ہوسکتی ہے یہ مثنوی بہت ہی کم مدت میں لکھی گئی تھی۔ اکبر نے اوس مثنوی کو بہت پسند کیا۔
اس کے بعد مرکز دوار مخزن اسرار کی بحر میں تصنیف کی اکبر نے اس کتاب کو بھی بہت پسند کیا۔
پھر شیریں خسرو کے وزن پر سلیمان بلقیس کتاب تصنیف کی اس کتاب پر کئی ہزار روپے انعام کے فیضی کو ملے تھے اور تمام محروسہ ممالک میں فیضی کی قابلیت کی بڑی دھوم مچگئی تھی۔
پھر فیضی نے ہفت کشور ہفت پیکر پر کتاب لکھی یہ بھی مقبول انام ہوئی اس کے بعد سکندر نامہ کے مقابل میں اکبر نامہ تصنیف کیا اسکی اور بھی دھوم مچی اور شہنشاہ نے خود اس کے اشعار حفظ یاد کیئے مگر افسوس یہ ہے کہ یہ کتاب اکبر نامہ پورا نہوا تھا کہ فیضی سے حضرت عزرائیل نے مصافحہ کیا۔ فیضی نے اکبر کے حکم سے کئی سنسکرت کتابوں کا بھی ترجمہ کیا ہے۔
پہلے تو سنسکرت کی نظم کتابوں کا فارسی کی نظم میں ترجمہ کیا مثلاً مہابھارت کا ایک پرزور فارسی نظم میں ترجمہ کیا جو ابتک وقعت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے اور پھر ہود کے علم ہیئت کی کئی کتابوں کا ترجمہ کیا۔ فلسفہ میں بیجاگینی ٹاہنڈون کی مشہور معروف کتاب کا ترجمہ ہوا اور ریاضی میں لیلاوتی اور بھاسکرا آچاریا کا ترجمہ کیا یہ کتابیں اہل ہنود کے ہاں ریاضی میں اعلیٰ درجہ کی شمار ہوئی تھیں۔ پھر چند آدمیوں کی مدد سے فیضی نے وید کا ترجمہ کیا۔ یہ ہی کتاب ہندوؤں کے ہاں بہت بڑی متبرک ہے اور اسی کو وہ آسمانی کتاب کہتے ہیں۔ اس کتاب میں بھجن بہت لکھے گئے ہیں اور تمام عناصر سے التجا کرکے دعا مانگی گئی ہے۔ ویدوں کے ترجمہ کے بعد راماینیا کا ترجمہ کیا گیا۔ یہ ترجمہ اعلیٰ درجہ پر ہوا اسکی بہت بڑی قدر ہوئی۔ پھر ایک سنسکرت کی کشمیر کی تاریخ کا ترجمہ کیا۔ اس کے علاوہ اور کئی سنسکرت کتابوں کا ترجمہ کیا جو ابتک موجود ہیں۔
ان کل کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ فیضی نے باوجود اپنے فرائض کے انجام دہی کے

جو سلطنت نے اس کے لئے مقرر کئے تھے کتنے عظیم الشان کتابوں کا ترجمہ کیا اور کتنی بڑی بڑی قابلیت کی بھری ہوئی کتابوں کو تصنیف کیا۔ فیضی کے خیالات میں مذہب کی طرف سے بہت آزادی تھی اور وہ ایک اعلیٰ درجہ کا ایتیسٹ بن گیا تھا۔ بہت سی تمثیلیں فیضی کی نسبت موجود ہیں انکی تصدیق وتکذیب کی نسبت تو ہم رائے قائم نہیں کرسکتے لیکن ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ مسلمان تھا۔ دین اسلام کو ساتھ ہی اس آزادی کے افضل و مکمل جانتا تھا۔ اور جب کبھی اسلام کی نسبت رائے ظاہر کرتا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا تھا کہ اسلام کو اور مذہب میں یہ اعلیٰ درجہ کا افضل جانتا ہے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ اکبر کسی سبب سے فیضی سے ناراض ہوگیا اور ناراضی اتنی بڑھی کہ فیضی کا دربار بھی بند ہوگیا ابوالفضل گو وزیر اعظم وزیر تھا لیکن پھر بھی اسمیں یہ قدرت نہوئی کہ وہ کچھ سفارش کرسکتا شب وروز بھائیوں میں مشورہ ہوتا تھا کہ ایسی کونسی تدبیر کی جائے کہ پھر دربار کا آنا جانا کھل جائے سوچتے سوچتے فیضی کو ایک تدبیر سوجھی اور ابوالفضل نے جاکر اکبر سے عرض کیا کہ فیضی نے ایک خواب حضور کی نبوت کی نسبت دیکھا ہے اگر حضور اجازت فرمائیں تو وہ خود اپنی زبان سے عرض کرے۔ نبوت کی بشارت سنکر بادشاہ کھل گیا اور فوراً فیضی کو دربار میں آنے اور خواب بیان کرنے کی اجازت دی فیضی دربار میں حاضر ہوا اور اس نے یہ خواب اپنا بیان کیا جس کا اختصار درج کیا جاتا ہے۔ وہو ہذا۔

یہ خواب میں نے علی الصباح نماز سے پہلے دیکھا۔ میں گویا اپنے کمرہ میں بیٹھا ہوا کتابوں کا مطالعہ کر رہا ہوں اور سب کتابیں میرے آگے کھلی ہوئی رکھی ہیں۔ مگر یہ کتابیں الہامی کتابیں ہیں یعنے توریت وانجیل اور قرآن وغیرہ ان کل کتابوں کا گویا میں مطالعہ کر رہا ہوں کہ اتنے میں کسی نے میرے دروازہ پر شریفانہ دستک دی۔ میں نے ان الہامی کتب کے مطالعہ میں اس شریفانہ دستک پر کچھ توجہ نہ کی۔ دوبارہ پھر دستک کی آواز آئی مگر یہ آواز پہلی آواز سے کرخت اور سخت تھی میں اُٹھ کر چاہتا تھا کہ دروازہ کھولوں کہ اتنے میں کمرہ کا پردہ اُٹھا اور چار صورتیں مجھے نظر آئیں یہ صورتیں نورانی تھیں انکی پوشش سفید اور صاف تھی۔ صرف ان کے چہرے کھلے ہوئے تھے ان کا حسن بلا انگیز

تھا۔ میں نے اپنی عمر میں ایسی حسین صورتیں نہیں دیکھیں۔ انکی صورت سے یہ نہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ عورت ہیں نہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ مرد ہیں۔
یہ چاروں نورانی صورتیں میرے پاس آکر بیٹھ گئیں اور مجھ سے یوں ہمکلام ہوئیں۔ انمیں سے ایک شخص بولتا تھا لیکن معلوم یہ ہوتا تھا کہ سب ایک ساتھ بول رہے ہیں۔ ان کی آوازیں شیریں اور موسیقی خیز تھیں اور وہ نظم میں گفتگو کرتے تھے۔ اُنہوں نے اپنی آواز میں مجھ سے یہ کہا۔ تو جانتا ہے کہ ہم کون ہیں۔ میں نے نفی میں جواب دیا۔ اُنہوں نے پھر مجھ سے یہ کہا کہ ہم فرشتے ہیں خدا کے بھیجے ہوئے یہاں آئے ہیں۔ چونکہ تو ہم سے ناواقف ہے اس لئے ہم اپنے آنے کی کیفیت دھوراتے ہیں تاکہ تجھے تذبذب نہ رہے۔
خدا تعالیٰ نے ہمیں حکم کیا ہے کہ ہم تیرے ذریعہ سے شہنشاہ اکبر کے پاس یہ پیغام پہنچاویں کہ خدائے برتر نے اسے پیغمبر مقرر کیا ہے یہ وحی جو ہم اپنے ساتھ لائے ہیں اسپر بھیجی گئی ہے مگر ہم تجھے یہ وحی نہیں دیں گے اس لئے کہ تو آج کل معتوب ہورہا ہے ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ فلاں درخت میں اس وحی کو پوشیدہ کردیتے ہیں تو جب دربار میں پہنچ جائے تو عرض کردیجیو۔ اس وحی میں جو بے نقط عربی عبارت میں لکھی گئی ہے احکام الٰہی ہیں۔ ان احکام میں وہ باتیں جن پر یہ پیغمبر عملدرآمد کریگا۔ سب مرقوم ہیں۔ بس ہمیں یہی پیغام پہنچانا تھا اب جاتے ہیں۔
ہرچند میں نے چاہا کہ آسمانی باتوں کی نسبت اور بھی کچھ زیادہ تحقیق و تفتیش کروں مگر وہ غائب ہوگئے اور پھر میں نے ان کی صورت نہیں دیکھی۔ یہ سُنکر اکبر بہت خوش ہوا اور وہ عتاب جس سے کہ فیضی کا دربار بند ہوگیا تھا جاتا رہا۔
فیضی نے اپنے مہربان آقا کو خوش دیکھکر یہ شعر پڑھکر سنایا شعر

شکر صد شکر کہ خیر البشرے پیدا شد + یک نبی رفت و بجائے دگرے پیدا شد

ابھی یہ شعر فیضی نے پڑھا ہی تھا کہ اتنے میں غیب سے ایک کڑاکے کی آواز آئی۔ جس نے اکبر اور اس کے دربار کو متعجب بنا دیا وہ غیب کی آواز یہ تھی جس نے فیضی پر بہت بڑا اثر کیا اور اپنی بناوٹی بات پر تھرا گیا۔ (غیبی آواز)

شعر حیف صد حیف کہ شر البشرے پیدا شد + یعنے در دین نبی رخنہ گرے پیدا شد
فیضی کو اپنی بناوٹی بات سے اتنا تو فایدہ ہوا کہ قصور معاف ہوگیا وہ وحی جو درخت
میں رکھی گئی قرآن شریف کے سات پاروں کے برابر عبارت تھی۔ فیضی کی غلطی صرف
یہ تھی کہ اس بے نقط عبارت سے پہلے بسم اللہ لکھی ہوئی تھی اگر کلمہ لا الہ اللہ لکھدیا جاتا
تو اعتراض نہ وارد ہوتا۔
ان سب باتوں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ فیضی آزاد خیال کا شخص تھا اور اسے قیود
مذہبیت کوئی تعلق نہ تھا۔ جب فیضی نے تلدمن آکر سنائی ہے اور یہ مصرعہ پڑھا
طاؤس نظر بلند پروانہ + تو عرفی نے اجازت لیکر یہ اصلاح دی۔
عنقائے نظر بلند پرواز باید۔ + فیضی طاؤس ہم بلند پروازی مے کند + فیضی نے عرفی
کا خیر مقدم کیا اور اس اصلاح سے بُرا نہ مانا اس حکایت سے فیضی کی انصاف پسندی
اور بے تعصبی ظاہر ہوتی ہے یہ الزام کہ فیضی اور ابوالفضل نے ملکر عرفی کو زہر دیدیا محض
غلط ہے۔ اول تو کسی معتبر کتاب میں اسکا پتہ نہیں اور پھر عقل بھی اسکی شہادت نہیں دیتی
کہ فیضی نے عرفی کو زہر دیا ہو۔ عرفی صرف ایک معمولی شخص تھا علوم سے اسے کچھ مناسبت
نہ تھی۔ اگر حسد بھی ہوتا ہے تو صرف ہمسر سے نہ کہ جہان کے فاضل عوام سے حسد
کرتے پھریں عرفی ہاں شاعر تھا۔ لیکن اسکی شاعری خیالی اور بے علمی کی تھی برخلاف
فیضی کے شاعری کے جو تاریخی مضامین اور علمی اسباب سے بھرے ہوئے تھے دوسرے
جو عہدہ کہ ان دو بھائیوں کو اکبر کے ہاں تھا وہ عرفی کا نہ تھا۔ طبقات اکبری والا
جو اکبر کے سکرٹری کا بیٹا تھا اور جو اس زمانہ میں موجود تھا عرفی کی نسبت لکھتا ہے کہ باوجود
بے علمی کے اسمیں نخوت اور غرور اسقدر تھا کہ لوگ اس سے نفرت کرنے لگے تھے۔ اور آخر
یہانتک نوبت پہنچی کہ اس سے لوگوں نے ملنا ملانا ترک کر دیا۔ فیضی کی خواہ کیسی ہی
حالت تھی پھر بھی وہ بڑا اولوالعزم اور سنجیدہ مزاج آدمی تھا اس کو اس امر کی فرصت
ہی نہ ملتی تھی کہ وہ کسی سے حسد کرتا اور اس لغو اور نفرت انگیز کام میں اپنا قیمتی وقت صرف
کرتا۔ کئی کئی رات اسے چراغ کے پاس بیٹھے ہوئے گذر جاتی کوئی وقت ایسا

نہ تھا کہ فیضی کے آگے کتاب نہ رکھی ہو عبدالقادر جو اکبر کا پرائیوٹ سکرٹری تھا اسکا قول فیضی
کی نسبت سر ایچ الیٹ صاحب داونس ہسٹری آف انڈیا کی جلد ۵ صفحات ۵۴۹ . ۵۴۵ میں
مفصلۂ ذیل لکھا ہوا ہے فیضی کی تنخواہ کا روپیہ کتابوں کی خریداری میں صرف ہوتا تھا (کیونکہ اکبر کے
زمانہ میں جاگیریں موقوف ہوگئی تھیں صرف تنخواہیں لگی تھیں) فیضی کتابوں کی تلاش میں ہزاروں روپیہ
صرف کرکے روم و شام لوگوں کو بھیجتا تھا اور اُن سے کتابیں منگواتا تھا۔ جب اسکا انتقال ہوا ہے
تو اسکی ۴۶۰۰ کتابیں نکلیں۔ یہ سب کتابیں اعلیٰ درجہ پر رکھی ہوئی تھیں۔ انکی جلدیں بڑی قیمتی
قیمتی بندھی ہوئی تھیں اور ان کو الماری میں نمبروار لگایا تھا۔ ان ۴۶۰۰ کتابوں میں عربی
کی کتابوں کی تعداد زیادہ تھی دوسرے نمبر کی تعداد سنسکرت کی کتابوں کی تھی تیسرے نمبر
میں عبرانی اور یونانی زبان کی کتابیں تھیں۔

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فیضی عبرانی اور یونانی بھی ضرور جانتا تھا۔ فیضی پر جب مرض کا غلبہ
ہوا ہے اور اسکی زندگی کی تمام امیدیں منقطع ہوگئیں تو ٹھیک دو بجے شب کے اکبر کو خبر ہوئی کہ فیضی
کے ہر دم پر دم واپسیں کا شبہ ہوتا ہے یہ سنتے ہی اکبر بیتاب ہوگیا اور اُسی وقت خوابگاہ سے اُٹھکر
سیدھا فیضی کے گھر پہنچا۔ ہنوز فیضی کو ہوش تھا اور وہ ان احباب کو پہچان سکتا تھا جو
اس کے اردگرد حلقہ کئے ہوئے بیٹھے تھے جوں ہی فیضی نے اکبر کے روشن چہرے میں نظر
ڈالی اسی کرب حالت میں یہ اشعار زبان پر لایا رباعی

دیدی کہ فلک بمن چہ نیرنگی کرد + مرغ دل از قفس شب آہنگے کرد + آں سینہ کہ عالمے درو می گنجید +
تا نیم نفس بر آورم تنگی کرد + یہ رباعی پڑھکر فیضی بیہوش ہوگیا۔ اکبر آنکھوں میں آنسو ڈبڈبائے ہوئے
فیضی کے پاس آبیٹھا اسکا دم توڑتا ہوا سر اپنے شاہانہ زانو پر رکھ لیا اور یہ فقرہ اپنی زبان مبارک سے
فرمائے شیخ جی میں علی طبیب کو تمہارے پاس لایا ہوں تم کیوں نہیں بولتے (ایلفنسٹن مسٹر
آف انڈیا صفحہ ۵۳۴) جب اکبر کو معلوم ہوا کہ فیضی کے لب ہمیشہ کے لئے بند ہو گئے ہیں
وہ روتا ہوا اُٹھ بیٹھا۔ ابوالفضل کے گلے لپٹ کر خوب رویا ہر چند چاہتا تھا کہ اسے ڈھارس
دے اور تعزیت کرے وہاں اپنا ہی دل از دست رفتہ ہوا جاتا تھا اکبر اور ابوالفضل خوب
ڈاڑھیں مار مار کر روئے دو دن برابر اکبر نے فیضی کے غم میں ایک دانہ بھی نہیں کھایا

اکبر اپنے درباریوں سے کہا کرتا تھا کہ فیضی کیا مرا علم کا روشن آفتاب غروب ہوگیا۔
اکبر کے چالیسویں سال جلوس کو ابوالفضل فیضی کا انتقال ہوا تھا عبدالقادر نے اپنی منتخب التواریخ میں جو اسکے مرنے کے وقت کی کیفیت لکھی ہے۔ ذیل میں درج کی جاتی ہے عبدالقادر جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں اکبر کا پرائیوٹ سکریٹری تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ جب مرض نے اسپر زور کیا ہے تو اسنے مارے خوف کے پھر دین اسلام قبول کیا اور کلمہ پڑھا اور یہ خط حالت نزع میں اکبر کو لکھا وھو ہذا جہاں پناہا اگر انسان اپنی بہتری دین و دنیا میں چاہے تو خدا اور اوسکے لازوال قوتوں کا یقین مضبوطی سے اپنے دل میں جماوے اور اسکا سچا مذہب یعنے دین محمدی قبول کرے میں اپنے ان دوستوں کو جنکی حالت ایک دن میری سی ہونے والی ہے رائے دیتا ہوں کہ وہ مذہب سے کبھی آزاد نہوں اور ہمیشہ مذہب کے اصول کی پابندی کریں حضور کو میں گواہ کرتا ہوں کہ میں مسلمان ہوں۔ خدا مجھے دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آنچ سے بچائے۔ فقط۔
پھر عبدالقادر لکھتا ہے کہ یہ فریب اور بہانہ خدا بہتر جانتا ہے وہ ہرگز مسلمان نہیں مرا اور خدا اسے ہمیشہ دوزخ میں پھونکے گا" ہمارے خیال میں فیضی کی نسبت یہ عبدالقادر کی زیادتی ہے اسلام میں صرف توبہ خواہ دم واپسیں کے وقت کیوں نہو کافی ہے۔ ہمیں اس سے کچھ بحث نہیں کہ وہ مسلمان مرا یا نہیں ہاں صرف اس سے اسقدر معلوم ہوتا ہے کہ عبدالقادر سے فیضی کی رنجش تھی۔ اسی سبب سے اس نے یہ سخت الفاظ لکھے ہیں۔
اگرچہ اگر وہ فیضی کے مرنے کی کیفیت لکھتا ہے۔ وھو ہذا۔ جب فیضی کا انتقال ہونے لگا تو اسکی صورت بدل گئی تھی اسکی رنگت سیاہ ہوگئی تھی اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ فیضی پر دنیا ہی سے عذاب آخرت الٰہی شروع ہوگیا تھا" فیضی کی نسبت عرفی سے مختلف روایتیں مشہور ہیں ایک دن فیضی اور عرفی دونوں ناؤ میں بیٹھے ہوئے جارہے تھے فیضی کے ساتھ ایک کتا تھا عرفی نے دریافت کیا کہ ایں چیست فیضی نے جواب دیا کہ عرفی است یعنی یہ مشہور چیز ہے اسکو کتا کہتے ہیں اور دوسرا مطلب یہ تھا کہ یہ عرفی ہے گویا عرفی کو کتا بنایا عرفی نے جواب دیا کہ مبارک باشد۔ مبارک فیضی کے باپ کا نام تھا عرفی نے فیضی کے باپ کو کتا بنایا جتنے فضلا گذرے ہیں خواہ وہ کسی قوم میں کیوں نہ ہوئے ہوں ایک وقت ان کے مذاق کا ہوا کرتا تھا یورپ میں ایسے شخص

کوئین ایبٹ لارج کہتے ہیں وہاں ایسے فاضل کی قدر ہی نہیں ہوتی کہ جس میں قوت مذاقیہ نہو آخر عمر میں فیضی نے ایک دیوان بھی کہا ہے جسکا کچھ حصہ طبع میں آچکا ہے۔ ایکدن اکبر خود ایک طرح عنایت فرمائی اور اسمیں کل شعرا کو مدعو کیا کہتے ہیں فیضی کی غزل سب میں چربی رہی اور اسی پر اکبر نے فیضی کو ملک الشعرا کا خطاب عنایت فرمایا چونکہ وہ غزل زیادہ دلچسپ ہے اسلیے ہم درج کرتے ہیں۔

غزل

| | |
|---|---|
| من از جدا شدی وگمانم چنیں نبود | اے نور دیدہ از تو مرا چشم ایں نبود |
| کردم نظر بجانب لعل لبت بسے | جز نقش حیرتم رقمے در نگیں نبود |
| با مدعی ہمیشہ زبان داشتے ولے | زیں پیش گرچہ بود گمانم چنیں نبود |
| آمد خیال عیش وطرب در دیار وصل | جائے نشست در دل اندوہ گیں نبود |
| نگذشت یک سحر کہ مرا در ہوائے تو | دستے بر آسمان ورخے بر زمیں نبود |
| حسن ترا کہ اوج کمالست جلوہ گاہ | مشاطہ بہ از نظر پاک بیں نبود |
| فیضی زبزم وصل تو میرفت دل افگار | حاجت بتاب ابرو چیں جبیں نبود |

فیضی اور عرفی کی ایک نقل عوام لوگوں کی زبان پر بہت ہے اور وہ یہ ہے کہ جب عرفی اکبر کے دربار میں کوئی قصیدہ لاکر سناتا تھا تو فیضی کا حافظہ اسقدر بڑھا ہوا تھا کہ اسے فوراً ایک ہی دفعہ پڑھنے میں یاد ہو جاتا تھا جب عرفی سنا چکتا تو فیضی فوراً کہہ اُٹھتا کہ یہ قصیدہ میرا ہے اور میرے ہونے کی دلیل یہ ہے کہ مجھے حفظ یاد ہے۔
اکبر کے حکم سے فیضی قصیدہ سنا بھی دیتا تھا اور پھر اپنے غلام کی طرف اشارہ کرتا کہ اس سے حضور گوشگذار فرمالیں چنانچہ غلام ایک ہی اشارہ میں سنا دیا کرتا تھا۔ ایک دن عرفی نے نصف قصیدہ سناکر فیضی کی طرف اشارہ کیا کہ باقیماندہ قصیدہ تو پڑھ فیضی اُسدن بہت شرمندہ ہوا اور آیندہ اس نے کان پکڑا کہ پھر ایسا کبھی نہیں کرنیکا۔ یہ باتیں جسقدر رقیق ہیں اُسیقدر بے بنیاد اور بے اصل ہیں فیضی کی نسبت یہ خیال کرنا بڑی ہی کم عقلی اور بے انصافی ہے فیضی متین سنجیدہ عقلمند اور عالم شخص تھا۔ اس کا روشن دماغ اس قسم کے لغو اور بیکار خیالات سے پاک اور صاف تھا۔ وہ کہا کرتا تھا مجھے اگر فخر تو اپنے علم پر نہ کہ شاعری پر۔ ایک دن فیضی کے کلام پر عرفی نے اعتراض کیا اور وہ اعتراض فیضی کے کان تک

بھی پہنچا فیضی نے اس اعتراض کو حقارت کی نظر سے دیکھا اور کہا اگر عرفی سمجھتا تو یہ اعتراض کبھی نکرتا چونکہ وہ ایک بےعلم شخص ہے اسلیئے میں اس سے مخاطب نہیں ہوتا میرا وقت فضول ضایع ہوگا یہ جواب عرفی کو بُرا معلوم ہوا اور اوس نے چند لمرا میں فیضی کی شکایت کی فیضی نے اس شکایت کی بھی کچھہ پرواہ نہ کی عرفی خوانخواہ فیضی سے جلتا تھا اور جلنے کی وجہ یہ تھی کہ فیضی کو ملک الشعرا کا خطاب ملا تھا ایکدن ایک مجلس میں کسی شعر پر فیضی اور عرفی کی گفتگو ہوئی۔ عرفی علمی پہلو پر آکر ساکت ہوگیا وہاں تو کچھہ جواب نہ بن آیا گھر میں اکر فیضی کی نسبت یہ مفصلہ ذیل اشعار تصنیف کیئے جو درج کیئے جاتے ہیں۔

اشعار با من از جہل معارض شدہ نامنفعلے + اگرش ہجو کنم این بود ش مدح عظیم + کہ یصد قرآن وگرامر بدیہی نکند + عقل اول بپراہن یہ بیشش تفہیم + بقول مسٹر الیفنسٹن فیضی وہ پہلا ہی شخص مسلمانوں میں ہوا ہے کہ جس نے سنسکرت کے علم ادب کو پانی کر دیا اور ہنود کے علوم کی پوری ماہئیت سے سلمانوں کو آگاہ کر دیا۔ فیضی اور ابوالفضل نے فخر کیا ہے کہ ہمیں زیادہ فخر کرنے کی یہ بات ہے اور ہمارے علم کو زیادہ وقعت اس سبب سے ہوئی کہ ہم اکبر کے مبارک زمانہ میں پیدا ہوئے۔ وہ زمانہ جو ہمیشہ یادگار رہے گا فقط

## اکبر کے دربار کا تیسرا رتن

### راجہ ٹوڈرمل

راجہ ٹوڈرمل وزیر خزانہ اعلیٰ درجہ کا شخص تھا اسکے وقت میں جو جو ریفارم کے نئے نئے قواعد ایجاد ہوئے ان سے سلطنت کو نہ صرف استحکام ہوا بلکہ سلطنت نیک نام ہوگئی چونکہ ہمیں راجہ ٹوڈرمل کی مختصر سوانح عمری لکھنی ہے اُس لئے اوائل حالات سے شروع کرتے ہیں یہ اصل میں پنجاب کا باشندہ تھا۔ اسکی پیدائش کی تاریخ اور سنہ ٹھیک ٹھیک نہیں معلوم لیکن یہ بات قابل نوٹ ہی کہ جب اسکی پانچ برس کی عمر تھی اس کے باپ کا انتقال ہوگیا تھا۔ چچا ماموں جو باپ کے مرنے کے بعد کسیقدر سرپرست بن سکتے ہیں وہ بھی نہ تھے کہ اس ہونہار بچہ کی پرورش کرتے ماں رانڈ ٹوڈرمل یتیم ایسے بچّہ کی تعلیم بہت مشکل ہی۔ ماں نے رانڈاپے کی حالت میں اپنے بچہ کی پرورش

کرنا شروع کیا گجرات کے ضلع میں ایک پاٹ شالے میں ٹوڈرمل کو بٹھادیا بچپن ہی میں یہ بچہ حلیم الطبع اور شریف مزاج تھا بچے اگر چھیڑتے بھی تو یہ آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا کر چپکا ہو رہتا تھا۔ اوستاد نے جب یہ خوبی دیکھی تو وہ بہت خوش ہوا اور اس نے اس بچہ کو اپنی خاص سرپرستی میں لینا چاہا ٹوڈرمل سے بچوں کی طرح محبت کرنے لگا اور خاص طور پر تعلیم دینے میں کوشش شروع کی دو برس کے بعد اس مہربان اُستاد کا بھی انتقال ہوگیا ٹوڈرمل کو اب کسی قدر سمجھ آگئی یہ اسقدر رویا کہ آنکھیں سوج گئیں ٹوڈرمل کی ماں کو بھی سخت رنج ہوا۔ گویا مہربان اُستاد کے انتقال نے اسکے خاوند کے غم کو اور بھی تازہ کردیا۔ ٹوڈرمل کی ماں بار بار اپنے بچہ کو دیکھتی تھی اور روتی تھی اسے یقین نہ تھا کہ ٹوڈرمل کبھی کچھ لکھ پڑھکر شوکت حاصل کرے گا کیونکہ وہ ٹوڈرمل کی بدقسمتی کو بخوبی دیکھ رہی تھی ابھی پانچ ہی برس کا تھا کہ باپ رخصت ہوگیا اور مہربان اوستاد نے بھی ترس کھاکر اپنی سرپرستی میں لیکر اس سے کچھ نتیجہ حاصل نہ کیا وہ مختلف برہمنوں اور نجومیوں سے اپنی اپنی زندگی کی کیفیت پوچھتی تھی مگر ان سے ذرا تسکین نہوتی تھی نجومی کبھی کچھ بتادیا کرتے تھے اور کبھی کچھ کہدیا کرتے تھے جب گیارہ برس کی عمر ہوئی تو راجہ ہرچند راؤ کا دس روپیہ کا ملازم ہوکر لاہور چلا گیا۔ راجہ ہرچند راؤ اسے اپنے بچوں کی طرح پرورش کرتا تھا ٹوڈرمل نے گو با قاعدہ حساب نہ سیکھا تھا پھر بھی فطری طور پر کچھ حساب سے ایسا لگاؤ تھا کہ اپنے آقا کا اندرونی اور بیرونی حساب کتاب اس آسانی اور ہوشیاری سے کرتا تھا کہ اس نے کل خرچ کا مختار ٹوڈرمل کو بنادیا۔ دو تین برس بعد عارضہ نقرس میں ہرچند راؤ کا بھی انتقال ہوگیا پھر ٹوڈرمل اپنی ماں کے پاس آگیا۔ روپیہ اسقدر وافی کما کر لایا تھا کہ دو لونے کئی سال تک بآرام اپنی زندگی بسر کی۔ اٹھارہ برس کی عمر میں اکبر کے ہاں دنی منشیوں میں نوکر ہوگیا اپنی ہوشیاری اور محنت سے رفتہ رفتہ ترقی کرتے کرتے خزانہ کے دفتر میں ہیڈ ایکاؤنٹنٹ مقرر رہا اسی اثنا میں گجرات کی جنگوں کے لئے سیول ڈیپارٹمنٹ سے آدمی منتخب ہونے لگے ٹوڈرمل نے بہت خوشی سے سواروں میں اپنا نام لکھوادیا اور یہ سیول ڈیپارٹمنٹ سے جنگی محکمہ میں آگیا۔ اکبر نے ۱۵۷۲ء میں ستمبر کے مہینے میں دہلی سے گجرات کی طرف کوچ کیا رسالہ میں وردی میجر کے عہدہ پر ٹوڈرمل نامزد کیا گیا تھا۔ گجرات میں

اعتماد خاں جو ایک ہندو غلام تھا حکومت کرتا تھا اکبر کی مرضی یہ ہوئی کہ اس چپقلش سے اعتماد خاں کو نجات دوں۔ آندھی اور مینھ کی طرح سے اکبر پٹن پہنچا ٹوڈرمل نے نہ کبھی جنگی کپڑے زیب تن کئے تھے اور نہ کبھی اسے شمشیر زنی کا موقع پڑا تھا ہاں یہ بات تھی کہ واقف کار دلیر سنجیدہ اور متین شجاع دور اندیش مصیبت کش صابر اور شاکر بہت بڑا تھا۔ جو کام کرتا پہلے سمجھ لیتا کہ اسکا آئندہ نتیجہ کیا ہوگا کہیں یہ میرے آقا کی مرضی کے خلاف تو نہیں پڑیگا۔ انہیں ہنروں اور ایسی لائق طبیعت ہی سے یکایک ٹوڈرمل وردی میجر بنادیا گیا ٹوڈرمل نے مرزاؤں کی جنگ میں بڑی بڑی بہادری دکھائی اور جتنا دستہ کہ اسکی ماتحتی میں تھا اسکو ہوشیاری اور دلاوری سے لڑایا کہ اکبر بہت خوش ہوا اور سورت کے محاصرہ پر جو ہنر کہ ٹوڈرمل سے ظہور میں آئے انہوں نے صرف ٹوڈرمل کو شہنشاہ کی نگاہوں میں وقیع بنایا بلکہ اس سے زیادہ اعلیٰ عہدہ پر سرفراز کیا۔

جب اکبر نے گجرات فتح کرلیا اور اپنی سلطنت میں گجرات کا ملک شریک کرلیا تو اکبر دہلی واپس پھرا جتنے مرزا کہ گجرات میں شورش مچارہے تھے وہ سب مطیع ہوگئے یا انہیں نیست نابود کردیا تھا مگر مرزا حسین نامی ایک شخص جان بچاکر بھاگ گیا تھا اس کے تعقب میں ٹوڈرمل کو چھوڑ دیا ٹوڈرمل نے نمایاں پے درپے کامیابی حاصل کی مگر گجرات میں شاہ سابق کے رشتہ داروں نے ملکر پھر مرزا حسین کو بلالیا اور انہوں نے باہم ملکر شاہی فوج کو ہزیمت دی یہ شکست ایسی نہوئی تھی کہ فوج وہاں سے واپس آجاتی بلکہ شاہی فوج انکے مقابلہ میں کمزور ثابت ہوئی۔ پھر بھی ٹوڈرمل کی روک تھام نے شاہی فوج کی توہین نہونے دی اس عرصہ میں بارش شروع ہوگئی تھی کہ اتنے میں اکبر کو خبر ہوئی یہ اسی برسات کی حالت میں آندھی اور مینھ کیطرح دو دن میں گجرات پہنچا۔ اکبر کے پاس کل دو ہزار فوج تھی اور دشمن کی تین ہزار تھی سے ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا + بڑی دہشت سرکشوں اور باغیوں پر یہ بیٹھی کہ انہوں نے اتنی جلدی جسکی امید وہ کبھی نکرسکتے قہار اور خونخوار شہنشاہ کو اپنے مقابل میں دیکھا۔ نتیجہ اس جنگ کا اکبر کی فیروزمندی ہوا اور ٹوڈرمل یہیں راجہ بنا دئے گئے یہانتک جلال الدین شروانی نے ٹوڈرمل کا حال قلم بند کیا ہے گو اس نے اسکی وفات تک کی کیفیت لکھی ہی لیکن وہ ہم پیچھے درج کریں گے۔ بنیرس میک اپنی کتاب میں لکھتے ہیں

ٹوڈرمل قوم کایستھ میں سے تھا اس نے اپنا بچپن کا زمانہ پنجاب اپنے نیٹو لینڈ میں گذارا ۱۵۵۵ء گجرات میں اسکے جنگی کاموں کا آغاز ہوا اور یہاں اس نے پہلے پہل اپنی شجاعانہ تدبیروں کے اعلیٰ درجے کے جوہر دکھائے پھر وہ ملیٹری چیف (جنگی سردار) سپرنٹنڈنٹ محصولات بنگیا۔ گجرات اور بنگال میں نیکنامیاں حاصل کرکے ۱۵۷۵ء میں دہلی واپس آیا یہاں وزیر شاہ منصور کا پیشکار مقرر ہوگیا اور اس نے محصولات میں وہ وہ اصلاحیں کیں جنہوں نے اسکے آقا اکبر کی تمام عالم میں شہرت کردی۔" یہانتک نیرس میگ کا بیان ہوا۔ مختلف مورخوں مثلاً خواجہ نظام الدین احمد نے تاریخ طبقاۃ اکبری میں شیخ عبدالقادر بدایونی خواجہ عطائے فروشی نے تاریخ اکبر شاہی میں شیخ الہداد شیخ فرید مخاطب بمرتضیٰ خاں شیخ ابوالفضل۔ ایلفنسٹن۔ اسٹانک۔ رلیس چیز۔ میکالے یلتیسج۔ ہنٹر وغیرہ مورخوں نے راجہ ٹوڈرمل کے دلچسپ اور مختلف حالات لکھے ہیں ان طول طویل حالات سے ہم یہاں خلاصہ کرتے ہیں۔

علاوہ گجرات کی ناموری کے ٹوڈرمل نے بنگال کی جنگ میں بڑی نمود حاصل کی ۱۵۷۵ء مطابق ۹۸۳ ہجری کو جب داؤد خاں۔ بنگال پر ابہر بھاگ کر چلاگیا تو اکبر نے اپنے چند سرداروں کو اس کے تعقب میں چھوڑکر آپ عازم دارالخلافتہ ہوا۔ انمیں اول نمبر راجہ ٹوڈرمل کا تھا داؤد خاں اڑیسہ بھاگ گیا تھا مگر دوبارہ اکبر کے چلے جانے کے بعد اس نے شاہی فوج سے مقابلہ کیا اور یہ مقابلہ بہت سختی سے ہوا۔ جب داؤد خاں نے حملہ کیا ہے راجہ ٹوڈرمل فوج کی کمان کر رہا تھا اسکے پاس صرف تین ہزار بہیر و بنگا تھی داؤد خاں کے پاس بھی اس سے کچھ کم فوج نہ تھی دونو فوجوں کا باہم مقابلہ ہوا پہلے داؤد خاں نے راجہ ٹوڈرمل کو ایک رقعہ لکھا جس کا مختصر مضمون یہ ہے اکبر اپنے دارالخلافتہ کو پھر کر چلاگیا۔ تمہارے ہاتھ میں شاہی فوج کی کمان ہے بہتر ہے کہ ہم تم دونوں مل جائیں پھر بہار اور بنگالہ۔ اڑیسہ ہمارا ملک ہوجائیگا گو تم ہندو ہو اور میں مسلمان ہوں پھر بھی ہم سگے بھائیوں کی طرح زندگی بسر کریں گے اور نصف نصف ملک بانٹ کر بڑی شوکت سے سلطنت کریں گے۔ جب ہم دونو ملجاویں گے اکبر ہماری طرف آنکھ بھر کر نہیں دیکھ سکتا اگر تم نے اپنی بدقسمتی سے یہ قبول نہ کیا تو سمجھ لینا کہ اسی بنگال

سے تمہارا واپس جانا سخت دشوار ہوگا اور اسی سرزمین میں تمہاری نعش زاغ و کرگدن کھائیں گے
یا اگر تم زندہ گرفتار ہوکر آئے تو تمہاری وہ گت بناؤں گا کہ چشم فلک نے بھی ذلت نہ دیکھی ہوگی میرے
پاس لشکر بے تعداد ہے اور بنگالہ کے کل رئیس مجھ سے سازش رکھتے ہیں فقط جونہی یہ رقعہ ٹوڈرمل
نے دیکھا روتے لگا اور آسمان کی طرف منھ اُٹھا کر کہا اے خداوند روئے زمین کبھی یہ خیال پیدا ہی
نہو کہ میں اپنے نامدار آقا سے سرکشی کروں اسی جوشیلی طبیعت سے داؤد خاں کے رقعہ کا جواب
لکھا جس کا اختصار حسب ذیل ہے مجھے سخت رنج ہوا کہ تم مجھے دوستانہ پہلو سے اسی امر کے اختیار
کرنے کے لئے مجبور کرتے ہو جو دین و دنیا دو نو میں میرا کالا منھ کرائیگا تم تو نصف بنگال کی بشارت
دیتے ہو کہتا ہوں کہ اگر ہفت اقلیم کی بادشاہت ملے گی اسکو بھی ٹھوکر ہی مارونگا اور اپنے
آقا کی اطاعت ہفت اقلیم پر قبضہ کرنے کی نسبت افضل جانوں گا۔ مجھے فخر ہے کہ میں اپنے آقا
کے لئے جان دیدوں اور میرا جسم زاغ و کرگدن کھائیں۔ اپنے مہربان آقا پر ایک کیا ہزار جانیں صدقہ
ہیں فقط۔ یہ رقعہ دیکھتے ہی داؤد خاں تھرا گیا اور اکبر کے رحم کے اثر کی تصویر اسکی آنکھوں کے
آگے پھر گئی۔ اسے اپنی فتح سے مایوسی ہوگئی تھی پھر بھی وہ ٹوڈرمل کے مقابلہ کے لئے آمادہ
جنگ ہوا پہلے دور دور سے گولیاں چلتی رہیں یکایک راجہ ٹوڈرمل نے حملہ کیا ایک ہی
حملہ میں داؤد خاں کے پیر اوکھڑ گئے اور وہ بھاگ کر بے آف بنگال کے کنارہ
کے پرے بھاگ کر چلا گیا ۱۵۷۶ء مطابق ۹۸۴ھ ہجری میں داؤد کے مرنے کے بعد
بنگال کا صوبہ دہلی کی سلطنت میں ملا لیا گیا۔ یہ قبضہ دوامی نہ معلوم ہوتا تھا۔
اس ملک کے جنوب میں پہاڑیوں اور جنگلوں کا سلسلہ شمال میں وسیع وسیع پہاڑوں اور گنجان جھاڑیوں
سمندر کی جانب جنگل اور دلدل کی کثرت اور اسکی دشوار گزار راہیں غیر مطمئنی پیدا کر رہی تھیں
اکبر کا پھا؟ رنو جوان سپہ سالار اکبر کے فرمان کے بموجب جب ایک شخص کو گورنر بنگال
مقرر کر کے واپس آیا اور یہاں خلعت وغیرہ سے سرفراز کیا گیا پھر چند روز کے بعد خود
شاہی فوج میں بغاوت شروع ہوگئی۔ جونہی اکبر کے کان میں بغاوت کی آواز پہنچی فوراً
راجہ ٹوڈرمل کو روانہ کیا۔ راجہ موصوف کی روانگی ۱۵۷۹ء مطابق ۹۸۷ھ ہجری میں
ہوئی تھی یہاں پہنچتے ہی راجہ ٹوڈرمل نے یہ حکمت کی کہ تمام ہندو زمینداروں کو

ملایا انہیں سے پہلے پہلے راجہ موصوف کو کامیابی ہوتی گئی۔ یہ ہم تین برس کا مل قایم رہی آخر
مرزا خان بیرام خان کے بیٹے نے اس فساد کو اختتام پر پہنچایا اسی طرح سے راجہ ٹوڈرمل
کے تواریخی حالات اسقدر ہیں کہ اگر انہیں پورا نقل کیا جاوے تو بہت طول ہو جائے گا اسلئے
ہم مشہور اصلاحوں کا ذکر کرتے ہیں کہ جو راجہ ٹوڈرمل نے اکبر کی سلطنت میں کیں اور
جو ہنوز انگریزی اور دیسی دفاتر میں موجود ہیں۔
پہلے دفتر میں صرف تحریر کا رواج تھا اس سے حساب کتاب میں بڑی بڑی دقتیں پڑتی تھیں
کوئی صورت عمدہ انتظام کی نہ نکلتی تھی جو نہی راجہ ٹوڈرمل وزیر خزانہ مقرر ہوا۔
اس نے طریقہ سیاق نکالا۔ یہ سیاق کا طریقہ اب تک ہندوستان میں موجود ہے
چھوٹے چھوٹے دفاتر اور عظیم الشان ڈپارٹمنٹ میں بھی سیاق کا طریقہ جاری ہے
یہ راجہ ٹوڈرمل کی پہلی اصلاح تھی جس نے تمام ملک میں دھوم مچادی اور ملک میں ایک
اعلیٰ درجہ کی اصلاح متصور ہوئی اکبر نے سر دربار راجہ ٹوڈرمل کی حساب دانی اور ذہن رسا
کی تعریف کی اور اپنے ہاتھ سے راجہ موصوف کے گلے میں موتیوں کا کنٹھا پہنایا دوسری اصلاح جو
راجہ ٹوڈرمل نے کی وہ یہ تھی کہ تمام ممالک محروسہ کی پیمائش کی جمع مقرر کی اس سے یہ غرض ہے
کہ فی بیگہ سرکار کو کیا وصول ہوتا ہے اور اس سے بسوہ اور انچ انچ پر تقسیم پھیلا دی روپیہ کی آمد
و برآمد کا ایسا اچھا قاعدہ مقرر ہو گیا کہ پھر پرانی مشکلیں جو تقسیم ممالک محروسہ میں پڑی ہوئی
تھیں جاتی رہیں جہاں کوئی اصلاح وزیر اعظم ابوالفضل کے ذریعہ سے پیش کی گئی اور اکبر نے بخوشی
منظور کیا وہ تار برقی کی طرح تمام ممالک محروسہ میں دوڑ جاتی تھی اور اسپر فوراً عملدرآمد شروع
ہو جاتا تھا۔ ملک کے خیر خواہ راجہ ٹوڈرمل پر جان دیتے تھے اور ہمیشہ ہر جلسہ ہر مجلس میں راجہ
ٹوڈرمل کی عقل سلیم کی تعریف ہوتی تھی۔
تیسری اصلاح صوبجات کی حد و دبندی ہے گو اس سے بھی پہلے حد و دبندی تھی لیکن یہ حد
بندی کیا تو فطری طور پر کوئی دریا نہر نالہ کر دیا کرتا یا کوئی ٹیلہ پہاڑی جھاڑی کر دیا کرتے
تھے مگر اسمیں میلوں زمین کا حساب ہوتا تھا راجہ ٹوڈرمل جب وزیر خزانہ ہوئے تو اس نے اس
حد و دبندی پر توجہ کی اور خوب غور کر کے ایک نیا طریقہ حد و دبندی کا نکالا کیا تو مینار حد و دبندی کیلئے

کھڑے کر دیئے گئے یا کوئی عمارت بپیمائش کر کے بنوا دی۔ وہ ہی مینار انگریزوں میں بھی ابتک رائج
ہیں جہاں رجواڑوں اور انگریزی عملداری کے حدود مل گئے ہیں وہاں مینار کھڑے ہیں یہ
بھی یاد رہے کہ اکبر کے وقت میں جتنے قوانین سلطنت اور قواعد ایجاد تھے انکا اسی طرح عملدرآمد
ہوتا ہی یہ دوسری بات ہے کہ ان قواعد کو نئے قسم کے الفاظ کا لباس پہنا دیا ہو۔ چوتھی اصلاح یہ
ہوئی کہ روپے کے چالیس دلم مقرر ہوئے۔
اس سے معاملات میں بہت کچھ سہولیت ہوگئی اور عوام کو زیادہ آرام ملا۔ پانچویں اصلاح کروردام
پر ایک عامل مقرر کیا گیا۔ عامل کی رسم ہنوز موجود ہے۔ ریاست ٹونک میں ابتک عامل ہی
کہتے ہیں حیدرآباد میں صوبہ دار کہلاتا ہے یہی عامل راجپوتانہ میں ناظم کہلاتا ہی یہی عامل
انگریزی میں ڈپٹی کمشنر کہلاتا ہے اس سے زیادہ برکت کا زمانہ ہندوستان کے لئے
اور کونسا ہوسکتا ہے کہ اس میں ایسے ایسے قوانین ایجاد ہوئے اور ایسے ایسے قواعد منضبط
ہوئے جنہوں نے نہ صرف ملک کو ترقی دی بلکہ لوگوں کو بہت آرام دیا معاملات میں سہولت
ہوگئی اور مالگذاری کو ترقی ہوئی۔ چھٹی اصلاح یہ ہوئی کہ شاہی گھوڑوں پر داغ لگائے گئے
تاکہ شاہی گھوڑے پہچانے جائیں اور امرا یا رئیسوں کے گھوڑوں میں خلط ملط نہو جائے۔ یہ قاعدہ
بھی ابتک جاری ہے رجواڑوں میں تو یہ بدستور جاری ہی انگریزی سلطنتوں میں کچھ ترمیم
ہوگئی ہے قاعدہ یہی ہے مگر اس نے یورپ میں دوسری صورت میں جلوہ کیا ہے۔ ساتویں
اصلاح یہ ہوئی کہ ہر سال کی پہلی تاریخ ان داغوں کی صحت ہوا کرتی تھی اس سے بہت زیادہ
انتظام اسپان میں ترقی ہوگئی تھی اور لوگ جو اسپر مقرر کئے جاتے تھے مجبوراً بکار بند ہوتے
تھے۔ یہ داغ اسپ کی رسم گو پرانی تھی مگر رواج ہونے کی وجہ سے کچھ ایسی نسیاً منسیاً ہوگئی
تھی گویا نہونے کے برابر تھی علاؤالدین خلجی اور شیر شاہ نے (جسکا زمانہ ہندوستان
کے لئے رحمت کا زمانہ تھا) یہ داغ اسپ مقرر کیا تھا مگر اس کی آنکھیں بند ہوتے ہی
سلطنت میں فساد عظیم برپا ہوگیا اور پھر اس کے رحمانی قوانین کا ملک میں عملدرآمد نہوا۔
بڑی اصلاح جو راجہ ٹوڈرمل نے کی اور جس سے قیامت تک اسکا نام روشن رہے گا۔
وہ یہ ہے کہ اس نے کئی ہزار لونڈی غلام چھڑوا دیئے اور ان کو مختلف وظائف میں ملازم

رکھکر انکا نام چیلہ رکھا تھا۔ یہ لونڈی غلام وہ ہوئے تھے کہ جو جنگ کے وقت مختلف ممالک سے گرفتار ہوکر آتے تھے۔ ان کی گت بری بنتی تھی یہ مثل چرواہوں کے ایک عظیم الشان مکان میں ہکادئے جاتے تھے اور ان کو مویشیوں کی طرح کھانا دیدیا جاتا تھا۔

راجہ ٹوڈرمل کی اصلاح پسند طبیعت ان غلاموں کی زار حالت کی طرف رجوع ہوئی اس نے فوراً ان غلاموں کو آزادی دی اور مختلف دفاتر میں انہیں جگہ دلوادی لیکن اتنی بات رہی کہ انکا نام چیلہ پڑ گیا۔ راجپوتانہ میں یہ نام ابتک مستعمل ہوتا ہے۔ رانیوں کے پاس جسقدر خدمت گار یا موجود ہوتی ہیں انکو چیلیاں کہتے ہیں اور چیلے وہ کہلاتے ہیں کہ جو راجپوتوں کے پرانے خدمتگار ہوتے ہیں جنکو ہم غلام کہہ سکتے ہیں۔

راجہ ٹوڈرمل کی اس اصلاح نے ہزاروں بندگان خدا کی جان عذاب میں سے نکلوائی اور ان کو ایسی راہ پر ڈالدیا کہ جس سے وہ اپنی زندگی بآرام بسر کرلیں۔ راجہ کی یہاں ان اصلاح کا ذکر ہے جنہوں نے اسے اکبر کا بہت پیارا بنادیا تھا۔ اکبر راجہ ٹوڈرمل سے ایسی ہی محبت کرتا تھا۔ کہ جیسے اپنے بچّہ سے کرتے ہیں۔ ہمیشہ فاخرہ خلعتوں اور انعامات سے سرفراز فرمایا کرتا تھا۔ ایک بڑی بات جس نے راجہ ٹوڈرمل کو عزیز جہاں بنادیا تھا۔ وہ خلق اور مروت تھی۔ زمانہ کا یہ معمولی قاعدہ ہے کہ جہاں کم درجہ سے کسی کو عروج ہوا تو وہ مغرور کم ظرف اور متکبر بنجاتا ہے۔ سب کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے اور کسی کو کچھ مال نہیں سمجھتا مگر برخلاف اس کے راجہ ٹوڈرمل اپنے مفلس غریب عزیزوں سے بھی اسیطرح ملتا تھا کہ جیسے کوئی اہل غرض ملتا ہے مروّت میں اپنا ثانی آپ تھا۔ ایک نقل اسکی مروت اور خلق کی بہت مشہور ہے جسکو اکثر مورخوں نے دہورایا اسلئے ہم اسکو درج ذیل کرتے ہیں۔

راجہ جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے قوم کا لستھ میں سے تھا اور پنجابی نژاد تھا اس کے پاس یوں تو اسکے بہائی روزگار کے لئے اکثر عرضیاں دیا کرتے تھے مگر ایک دن اسکے سالے نے عرضی دی مجھے خالی پوسٹ ملجاوے۔ سالے کا رشتہ نہایت میٹھا ہوتا ہے۔ یہ جگہ ساٹھ روپے کی تھی اب انہوں نے اسکی لیاقت اور قابلیت پر خیال کیا کہ آیا یہ جگہ رامچند سنبھال بھی سکتا ہے یا نہیں راجہ ٹوڈرمل نے جب اپنے طور پر امتحان لیا تو وہ قابل نہیں پایا اس نے اس ساٹھ روپیہ

کی جگہ پر تو ایک نئے شخص کو مقرر کر دیا اور اپنے سالے کو یہ جواب دیا۔ یہ پوسٹ جسکے لئے تم نے عرضی دی ہے دوسرے شخص کو دیدی گئی ہاں جو کچھ اس عہدہ کی تنخواہ ہے اس میں سے نصف تمہیں ملے گی اس عرصہ میں تمہیں کام سیکھنا پڑیگا جب تم کام سیکھ جاؤ گے مناسب جگہ تمہارے لئے تجویز کی جاوے گی۔" اس سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص کتنا بڑا اپنے آقا کا نمک حلال اور اپنے رشتہ داروں کی مروّت رکھتا تھا نمک حلالی تو یہ تھی کہ ایک نا قابل شخص کو دفتر میں جگہ نہ دی اور مروّت یہ کی اپنے نسبتی بھائی کے اپنے پاس سے تیس روپے مقرر کر دئے۔

**ٹوڈرمل** رشوت کے نام سے کوسوں بھاگتا تھا بڑی خوبی اسمیں یہ تھی کہ سوائے دفتر کے اپنے نج کے مکان پر کبھی دفتر کے معاملات کی گفتگو نکرتا تھا۔ متقی بہت بڑا تھا کبھی کسی پر بدنظر سے نہیں دیکھا اور نہ کبھی عشق و محبت میں **ٹوڈرمل** کا نام نکلا۔ یہ بات بھی بہت بڑی تھی کہ اکبر کے ہاں علاوہ عالم و فاضل کے وہی شخص بڑے عہدہ پر مقرر ہوتا تھا جو متقی ہوتا اور اپنے مذہب کا پابند ہوتا۔ یہ دوسری بات ہے کہ اکبر کا کچھ مذہب ہو مگر وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ ارکان سلطنت لامذہب ہو جائیں اور کسی کا اعتقاد نہ رکھیں۔

متدیّن یعنے دیانتدار بہت بڑا تھا کروڑہا روپیہ اس کے قبضہ میں رہتا تھا۔ کیا ممکن تھا کہ ایک پائی کا فرق ہو ایک دن حساب میں صرف تین پائی کا فرق پڑ گیا دو دن دورات برابر حساب کرتا رہا نہ سویا نہ کھانا کھایا جب تک حساب سے اطمینان نکر لیا اور وہ غلطی نہ نکل گئی جگہ سے نہ اُٹھا۔

بڑی بات اکبر کے ہاں یہ تھی اور یہ قابل تعریف جسکا عملدرآمد ٹرکی اور یورپ میں صرف ہوتا ہے کہ جتبک کوئی شخص اپنی زندگی جنگی کاموں میں نہ گذار لیتا تھا اور اسے لیفٹننٹ کپتان وغیرہ کا خطاب نہ مل جاتا تھا کبھی سیول میں عہدہ نملتا تھا۔ اسلئے اکبر کے ہاں سیول محکموں میں جسقدر عہدے دار تھے سب موقع پر فوجی کاموں میں اعلیٰ درجہ کے نمایاں کام کیا کرتے تھے گویا اکبر کا ایک ایک ملازم سپاہی تھا خواہ مسجد کا موذن ہو یا کسی درگاہ کا خادم ہو یا کسی سیول ڈیپارٹمنٹ کا عہدہ دار ہو جتنی ترقی کہ بنگالیوں نے انگریزی سلطنت میں پائی ہے اس سے زیادہ ترقی کائستھوں نے اکبر کے زمانہ میں کی تھی جب سے مسلمان سلطنت کا تنزّل ہوا ہے کائستہ

بیچارے بھی تنزل کرنے لگے اور آخر کار یہانتک نوبت پہنچی کہ وہ تنزل میں مسلمانوں سے بھی دس قدم آگے بڑھ گئے نمک حلالی اور رفاقت و محبت اسی کا نام ہے سلہ این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

# اکبر کا چوتھا رتن

## خانخاناں

از مسکن لائف آف بابر میں خانخاناں کی مفصلہ ذیل سرگذشت لکھی ہے وہ ہندوا صل ہیں خانخاناں کا نام مرزا عبدالرحیم تھا ہندوستان کے مسلمانوں میں یہی شخص بڑا امتیازی درجہ رکھتا تھا سنہ ۱۵۵۶ء میں لاہور میں پیدا ہوا اور جب نوجوانی کی سرخی اس کے رخساروں پر جھلکنے لگی اکبر نے مرزا خاں کا خطاب عطا فرمایا۔ یہ خطاب صرف حسین صورت اور چکلے چوڑے ہاتھ پیر دن پر ندیا گیا تھا بلکہ لیاقت و قابلیت پر خطاب مرزا خاں عطا ہوا تھا گو اس کے باپ نے اکبر سے سرکشی کی تھی مگر یہاں اکبر کو خواہ کوئی دشمن ہو یا دوست علم و فضل کی ضرورت تھی وہ اپنے ان دشمنوں کو محبت کی نظر سے دیکھتا تھا کہ جو کسی فن میں طاق ہوتے تھے۔ جب عبدالرحیم کی ۲۸ برس کی عمر ہوئی تو اکبر نے جہانگیر کا اتالیق کر دیا۔ اتالیقی کا عہدہ گویا اکبری سلطنت میں اول درجہ کا معزز عہدہ سمجھا جاتا تھا باپ نے اکبر کی اتالیقی کی بیٹا اکبر کے بیٹے کی اتالیقی پر مقرر ہوا۔ جس سال اتالیقی شہزادہ کا عہدہ ملا ہے اسی سال مرزا خاں کو مظفر شاہ کی سرکشی دور کرنے کے لئے روانہ کر دیا شہنشاہ نے حکم دیا تھا اے میرے نوجوان بہادر تو ہرگز عام بلوہ سے خوف نہ کیجیو بلکہ اپنی دو دھاری اور آبدار تلوار کے بھروسہ پر چلا جائیو اور جہانتک تجھ سے ممکن ہو سرکشوں کو نیست و نابود کر ڈالیو۔ ایک بوڑھے رکن سلطنت نے جو بیرام خاں کا بہت دوست تھا اس نے میرزا خاں کو لکھا میرے جوشیلے شجاع اور دل چلے بہادر یہی موقع ہے کہ تجھے تیری نمایاں کارگذاریوں کا خطاب خانخاناں کے مستحق نہ سمجھے جاؤ۔ اس کام میں ابھی جان لڑا دینا اور اس سرکشی کو اختتام پر پہنچا کر چھوڑنا جونہی یہ شہنشاہی حکم اور بوڑھے رکن کا خط پہنچا میرزا خاں جوش میں آگیا اور اس نے اپنے دل میں عہد کر لیا

کہ جب تک میں مظفر شاہ باغی کو تہ تیغ نکرلونگا اور اس بغاوت کا بیج نہ مٹا دونگا نیام میں تلوار نہیں دونگا۔ میرزا خاں نے اس بجگیہی سے جنگ کی اور ایسا نڈر ہوکر سینہ بسینہ لڑا ہی کہ جو عمدہ نتیجے فتح کے خیال میں تھی اس سے بھی زیادہ ظاہر ہوئی۔ جن پر اکبر نے میرزا خاں کو پنج ہزاری کا عہدہ دیا۔ اور اس عہدہ کے ساتھ ہی خانخاناں کا خطاب عطا ہوا اس خطاب اور عہدہ کے چند روز بعد خطاب وکیل السلطنت یا لارڈ لیفٹننٹ آف دی امپائر کا عطا ہوا۔ ان متواتر خطاب عطا ہونے کے بعد جونپور۔ ملتان۔ سندھ کی گورنریاں ملتی رہیں سب سے زیادہ کار نمایاں خانخاناں نے دکن میں کئے جنکا مختصر بیان ہم آگے کریں گے۔

میرزا خاں خانخاناں وکیل السلطنت کی لڑکی کی شادی شہزادہ دانیال اکبر کے بیٹے سے ہوئی۔ جب اکبر کا انتقال ہو گیا اور جہانگیر کا دور دورہ ہوا تو جہانگیر نے بھی اپنے بوڑھے اتالیق کی ویسی ہی عزت کی کہ جیسے اسے شایاں تھی کئی برس کے بعد شہزادہ خرم کے (جو بعد ازاں شاہجہان کے لقب سے مشہور ہوا) ساتھ قندھار کی مہم پر روانہ کر دیا گیا یہاں بھی خانخاناں کو بخوبی کامیابی حاصل ہوئی۔ آخر دہلی میں ۱۶۲۶ء میں انتقال ہو گیا"

یہ پیرا ہم نے ارسکن لائف آف بابر میں سے انتخاب کیا ہے۔ اب ہم اور مختلف مورخوں کی کتابوں سے خانخانان کی مختصر سوانح عمری نقل کرتے ہیں۔

میرزا عبدالرحیم کا پورا خطاب یہ تھا جو بڑھاپے میں پورا ہوا تھا مرزا عبدالرحیم مرزا خان عزیز خاں اعظم خانخاناں وکیل السلطنت اتالیق شہزادہ سلیم اور جنرل ثانی اکبر شہنشاہ گورنر جونپور ملتان سندھ وغیرہ خانخانان کو یہ خطاب مختلف اوقات میں ملے تھے یہ شخص ایک خوبصورت اور لمبے قد کا تھا اس کے ہاتھ پیر لمبے اور مضبوط تھے خط و خال خوبصورت اور دلپسند تھے گو مے گلرنگ کی تمتماہٹ اسکے چہرہ پر ہر وقت رونق دیتی رہتی تھی تاہم اسکی اٹھتی ہوئی جوانی کی سرخی مایل جھلک شراب کی سرخی کی محتاج نہ تھی۔ اس کے روشن انداز او ظاہری صورت سے پایا جاتا تھا کہ یہ شاہی خاندان میں سے

ہے اور مجسم ہیئت اس امر کی شہادت دیتی تھی کہ جتنا معز زاسکا عہدہ ہے اور جتنے لسے خطاب ملے ہیں اس سے زیادہ اور خطاب لینے کی قابلیت اسمیں موجود ہے اس کے چہرہ کی بناوٹ گول تھی اور اسکی بیضاوی ہیئت کی خوش اسلوبی کو رخساروں کے ڈبل ہونے نے زائل کردیا تھا اور اس قصور نے اسکی نمایاں اور بلند پیشانی کو بھی بے عیب نہیں چھوڑا تھا۔

اس کے بالوں کا کچھ غیر معین رنگ تھا کبھی تو وہ وھواندار شاہ بلوط کے سے رنگ کا جلوہ دیتے تھے اور کبھی ان سے بھورے رنگ کی جھلکی ناظر کی آنکھوں میں بہت مستعدی سے چکا چوند کرتی تھی فطری **خانخاناں** کے بال نرم گھونگر والے تھے یہ نقشہ **خانخانان** کا مسٹر اسٹوارٹ نے اپنی تاریخ میں کھینچا ہے۔

یہ نوجوان اولوالعزم شخص گو لاہور کی پیدائش تھا اور اسکی زبان مادری فارسی تھی لیکن اس نے اٹھارہ برس کی عمر میں **ترکی** اور **عربی** لٹریچر میں پوری دستگاہ حاصل کرلی تھی اور **فلسفہ منطق۔ریاضی ہیئت۔ فلاخت** میں بھی پورا دخل تہا۔

انتظامیہ معاملات میں دربار میں بڑی وقعت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ مسافر نواز اور خلیق بہت بڑا تھا سخی بھی اول درجہ کا تھا۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ یہ اپنے محل کی چھت پر بیٹھا ہوا تھا۔ رات آدھی گذری ہوگی کہ سامنے سے چار آدمی آہن پوش آتے ہوئے دکھائی دیئے یہ شخص سیدھے اس مکان کی طرف آرہے تھے کہ جہاں **خانخاناں** بیٹھا ہوا تہا۔ پہرہ دار اس طرف نہ تھے کیونکہ مکان کا ادھر دروازہ نہ تھا یہ مکان کی پشت تھی۔

**دکن** کی خوفناک جنگوں کے خیالات پے درپے **خانخاناں** کو آرہے تھے اور نئی نئی ایجادیں نئی نئی باتیں سوجھ رہی تھیں کبھی تو فتح کی خوشی میں خوش ہوجاتا تھا اور کبھی اپنی یہ ناکامی کا خیال کرکے افسردہ ہوتا تھا۔

**مسٹر اسٹوارٹ** لکھتے ہیں کہ یہ خیالات وہ ہی معمولی خیالات تھے کہ جو ایک سپہ سالار کی طبیعت میں جنگ سے پہلے موجزن ہوا کرتے ہیں۔ کہ اسی اثنا میں **خانخاناں** کی توجہ ان آہن پوشوں کی طرف مبذول ہوئی۔

**خانخاناں** نے آواز دیکر ان کی رفتار کو نہیں روکا اور یہ دیکھنے کے لئے یہ کہ یہ کون ہیں،

خاموش بیٹھا رہا۔

جب وہ قریب آگئے تو انہوں نے یہ باتیں کیں۔ ایک بولا اسی مکان میں خانخاناں کا خزانہ معلوم ہوتا ہے۔ دوسرا بولا۔ یہاں خزانہ اگر ہوگا تو پہرہ بھی ضرور ہوگا پھر ہماری دال کیونکر گلے گی تیسرا بولا یہ خزانہ وقف ہے یہاں پہرہ ہرگز نہوگا۔ چوتھا بولا وقف کے کیا معنے۔

تیسرا خانخاناں کا قاعدہ کہ جس خزانہ میں سے خیرات کی جاتی ہے اس خزانہ پر پہرہ نہیں ہوتا۔ اسی قسم کے چاروں اہن پوش باتیں کرتے رہے خانخاناں کو یہ کیفیت معلوم ہوئی کہ یہ آہن پوش قزاق ہیں پہلے تو وہ بیٹھا دیکھتا رہا لیکن جب انہوں نے کمند پھینکی تو خانخاناں ایک طرف چھپ گیا وہ چاروں آہن پوش قزاق کمند کے ذریعہ اوپر چڑھ آئے جب وہ اوپر آگئے تو خانخاناں برہنہ تلوار ہاتھ میں لیکر نکل آیا۔

خانخاناں کی صورت دیکھتے ہی وہ تھرآگئے اور انہوں نے ہتیار پھینکدئے خانخاناں نے ان سے کہا کہ تم خوف نہ کھاؤ میں تم سے صرف ایک بات دریافت کرنا چاہتا ہوں شرطیہ ہے کہ تم سچ کہدو۔ ان کے تن بدن میں رعشہ پڑا ہوا تھا اور وہ خوف کھائے تھے جب دوبارہ گھرکتی ہوئی آواز میں یہ سوال مکرر کیا تو ان میں سے ایک قزّاق آہن پوش نے اقرار کیا کہ جو کچھہ حضور فرمائیں گے وہ سچ عرض کردیا جائیگا پھر خانخاناں نے یہ سوال کیا کہ تم نے کتنے روپے لینے کا خیال کیا تھا یعنے تم کو کتنا خیال تھا کہ ہم کو خانخاناں کے ہاں سے اتنا روپیہ ملجائیگا۔ پہلے تو انہوں نے تامل کیا مگر خانخاناں کے غضب آمیز تشدّد سے وہ کہہ اُٹھے کہ ہم نے ایک ایک ہزار روپیہ کا خیال کیا تھا خانخاناں نے فوراً ایک ایک ہزار روپے انہیں منگوادیا اور پھر قزاقی نہ کرنے کا عہد لے لیا اس قسم کی صدہا باتیں خانخاناں کی نسبت مشہور ہیں عرفی شاعر کو ایک قصیدہ پر پچیس ہزار روپیہ دیدیا تھا جس قصیدہ پر اتنا انعام عرفی کو ملا تھا اسکا مطلع مفصلۂ ذیل ہے **مطلع**

بیا کہ بادلم آں مے کند پریشانی + کہ غمزۂ تو نگردست بامسلمانی + ز دیدہ رفتی و مردم ہماں نفس فریاد + کہ بے تو مردم و آنگہ چنیں باسانی + کسے کہ رشتۂ نازت تست میداند + کہ چہ

آبحیات تُست جبین پشیمانی۔
پہلی مہم جو خانخاناں کو آ کر پڑی تھی وہ گجرات کی تھی جس مہم میں ٹوڈرمل بھی تیغ آزمائی کر چکا تھا جو نمود کہ ٹوڈرمل نے گجرات میں حاصل کی تھی وہی بلکہ اس سے بھی زیادہ نمایاں نمود خانخاناں نے حاصل کی خانخاناں اگرچہ مختلف مہموں میں مشغول رہتا تھا۔ لیکن خوش قسمتی سے شہرت کیساتھ علم میں بھی ترقی کرتا جاتا تھا۔ جو رقعے یا عریضہ ابوالفضل کے رقعوں کے جواب میں آتے تھے انکی شائستگی اور عبارت کی سنجیدگی مطالب کی عمدگی ابوالفضل سے بیس ہی ہوتی تھی بہت سی کتابیں خانخاناں نے خود تصنیف کی ہیں کئی کتابوں کا ترجمہ کیا ہے اور کئی تالیف کی ہیں۔ تزک بابری جو ترکی زبان میں تھی اسکا ترجمہ خانخاناں نے فارسی میں نہایت عمدگی سے کیا ہے خانخاناں حنفی تھا۔ گو باپ شیعہ تھا مگر نوجوان ہو کر اس نے مذہب شیعہ پسند نہ کیا اور سُنی حنفی ہو گیا۔ مذہب کی تحقیق کا بہت شوق تھا بابر کی پند اور کتابوں کا بھی ترجمہ کیا ہے فارسی کے علم ادب میں پوری دست گاہ حاصل تھی ابوالفضل بھی خانخاناں کی فارسی سے کان پکڑتا تھا۔

وہ کتاب جس سے خانخاناں مشہور ہو گیا وہ شافعی اور حنفی فقہ کے محاکمہ میں ہے یہ کتاب عالمگیر بہت عزیز رکھتا تھا اور اکثر اس کے مطالعہ میں رہا کرتی تھی۔ آخر میں خانخاناں مذہبی کتابوں کا مطالعہ کرتے کرتے وہابی بن گیا تھا اکبر کی سلطنت کچھ ایسی بے تعصب تھی کہ اس زمانہ میں کل مذاہب یکساں تھے جس نگاہ سے وہ سنی کو دیکھتا تھا اُسی نگہ سے شیعہ پر نظر کرتا تھا۔ عموماً مختلف مسائل پر خانخاناں کی گفتگو مختلف مولویوں سے ہوتی تھی اور وہ دو ہی باتوں میں سب کو بند کر دیتا تھا اسکی برجستہ تقریر اور عالمانہ گفتگو کے آگے کوئی نہ چل سکتا تھا۔

یہ ایک منصف مزاج اور دُور اندیش شخص تھا جو بات کہتا وہ انصاف ہی پر مبنی ہوتی۔ اب اس کے جنگی وقائع جن سے کہ خطابات حاصل کئے تھے بیان ہوتے ہیں۔ اور وہ یہ ہیں۔

۱۵۸۱ء مطابق ۹۸۹ ہجری کو ٹوڈرمل کے چلے آنے کے بعد گجرات کی طرف سے پھر بُرے بغاوت آنے لگی اور سرکشی کی گرم گرم خبریں حضور بندگان عالی کے کانوں میں پہنچنے لگیں۔ اکبر نے فوراً مرزا خاں کو روانہ کیا مرزا خاں کچھ فوج لیکر سیدھا گجرات پہنچا۔ اس نے آتے ہی مظفر شاہ کو شکست دی اور شہر میں امن قایم کر دیا۔ یہ فتح بماہ جنوری ۱۵۸۴ء مطابق ماہ محرم سنہ ۹۹۲ ہجری کو

مرزاخاں کو ہوئی جو نمایاں کام اس جنگ میں مرزاخاں سے ظہور میں آئے تھے انکی ٹرپوٹیں متواتر اکبر کو ہو رہی تہیں۔ مرزاخاں نے چاہا کہ اپنی نمایاں فتح کے اثر کو قایم رکھوں۔ مگر یہ ممکن نہوا جتنی کوششیں اور عرق ریزی کہ مرزاخاں نے کی وہ سب غیر باد جاتیں اگر مغل پہنچ تھوڑے ہی میں نربجا نے یہاں مغل آکر دشمنوں پر تاک لگائے رہے آخر مدتوں کی خونریزی کے بعد پھر کہیں گجرات ہاتھ آیا ہی ۹۸۹ھ میں خانخانان یا مرزاخاں نے سمندر کے جنوب میں جاکر جو جنگ کی اس نے خانخاناں کا نام بلند کردیا۔ اسکی مفصل کیفیت لین پول صاحب نے لکھی ہے۔

پہلے خانخاناں نے اپنی فوج کے چار حصے کئے اور جنوب کی طرف سے کنارہ کنارہ آگے بڑھا۔ دشمن بھی یہاں عظیم الشان فوج لئے پڑا ہوا تھا خانخاناں نے عہد کرلیا تھا کہ یا سر ہم یا ستام کلاہ اس کی پرجوش طبیعت اسکی متقضی نہ تھی کہ ہر بار میری کامیابی مشکوک رہے وہ حسرت بھری نگاہوں سے مظفر کی فوج کی طرف دیکھتا تھا اور چپکا ہو رہتا تھا کبھی اپنی ناموری کا خیال آتا تہا اور کبھی اس تصور میں سرگرداں ہوجاتا تھا کہ اگر اس جنگ کا رخ پھر گیا تو میری کئی برس کی کوشش بھی بیکار جائیگی یہ جمعہ کا دن تھا جب اس نے سمندر کے جنوب میں حملہ کیا۔ ہنوز آفتاب کی جھلکیلی کرنوں کی بہار سامنے کی بھیل اور ساکن سمندر پر نہیں معلوم ہوتی تھی۔ ایک طرف سے سمندر پر کبھی کبھی ہوا کے معمولی اور کبھی غیر معمولی جھوکوں سے موجیں معلوم ہونے لگتی تھیں اور ایک طرف جوں جوں روشنی ہوتی جاتی تھی۔ جانباز بہادروں کی برچھیاں گجراتی کھانڈوں کی دہاریں آنکھوں میں چکاچوند کر رہی تھی۔ ایک طرف مغل تلواریں سونتے ہوئے جان دینے کو موجود تھے اور دوسری طرف گجراتی اپنے خلیق اور ہر دلعزیز مظفر شاہ پر اپنی گردنیں کٹانا اپنا منصبی فرض جانتے تھے اتنے میں خانخاناں نے شافعی مذہب کے بہت تڑکے یعنے اندھیرے ہی نماز جماعت کیساتھ پڑھی اور اُدھر سے چند ہی منٹ کے بعد تکبیر اللہ اکبر کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔

خانخاناں نماز پڑھکر دعا مانگ ہی رہا تھا کہ اتنے میں ایک بندوق چلی اور کل فوج ہوشیار ہو کر جنگ پر آمادہ ہوئی طرفین کو تعجب ہوا کہ یہ بندوق کس نے چلائی ہے مگر کچھ بھید نہ کھلا۔ آخر خانخاناں دعا مانگتا ہوا اُٹھ بیٹھا اور اپنے گھوڑے پر سوار ہوا۔ خانخاناں کے گھوڑے کا نام غنم تھا۔ سوار ہو کر خانخاناں نے چمکار کر گردن پر ہاتھ پھیر کر کہا اے بہادر ہوشیار ہوجا سمندر کے کنارے پر آج دشمن سے معرکہ ہے ذرا اپنی تیزی اور میرے نمک کی قوت دکھائیو۔

سنتے ہی گھوڑے نے دونوں کان کھڑے کیئے اور ذرا ہنہنایا اب صفوں میں بندوقیں چلنے لگیں
ہر توپوں پر تیی پڑی۔ بندوقوں کی ٹھائیں ٹھائیں توپوں کی دنا دن نے بہادروں کے کلیجوں کو ہلا دیا
خانخاناں لوہے میں غرق تھا۔ سامنے کنارہ پر نیزہ ٹیکے ہوئے کھڑا تھا۔ دو تلواریں دونوں پہلوؤں
میں پڑی ہوئی تھیں۔ ایک طرف قرابین دوسو جان نثار سواروں کے بیچ میں کھڑا ہوا فوجی سپاہی
اپنی جان خانخاناں کے ذریعہ سے اکبر پر نثار کر رہے تھے۔ کامل چار گھنٹے توپ گولے سے جنگ
ہوتی رہی۔ یہاں تک نوبت پہونچی کہ تلواروں پر ہاتھ پڑ گئے اسی موقع کا خانخاناں منتظر تھا جوں ہی
تلواروں کی جھنجھناہٹ کی صدائیں بلند ہونے لگیں اور جانباز بہادروں کی گردنیں بھٹا سی اڑنے لگیں تو
خانخاناں نے بغور مظفر شاہ کی طرف دیکھا جو سامنے کھڑا ہوا فوجکو لڑا رہا تھا۔ خانخاناں آہستہ آہستہ
اسکی طرف آگے بڑھا دو سو آدمیوں کے ساتھ برچھے جھکائے ہوئے چلا جاتا تھا۔ دشمن کو یہ خبر نہ تھی کہ کوئی دشمن
پشت پر سے حملہ آور ہوگا مظفر شاہ بڑی تندی سے فوجکو لڑا رہا تھا نہ اسے اپنی پشت کی کچھ خبر تھی نہ اسکی
فوج کو کہ اتنے میں خانخاناں اپنے باڈی گارڈوں کے لیے ہوئے جا پہنچا۔ اور پیچھے جنگ میں مشغول مظفر
کو للکار کہا کہ ہوشیار ہو کہ آفتاب مغرب سے طلوع ہوا یہ کڑاکے کی آواز سنتے ہی مظفر کے ہوش اڑ گئے ہر چند
وہ سنبھل کر حملہ آور ہوا لیکن اس جانباز دلاور کے آگے کچھ چل نہ سکا خود تلوار لیکر جھپٹ پڑا اور سٹراسٹر
گجراتیوں کی گردنیں اڑنی شروع ہوئیں مظفر کو شکست ہوئی اور وہ اپنی فوج بے سری میدان میں چھوڑ
بھاگا کئی میل تک فوج کا تعقب کیا صدہا گجراتی تہ تیغ ہوئے۔ خانخانان کی بہادری اور جرات سے
یہ فتح حاصل ہوئی مظفر شاہ گو بھاگ گیا تھا مگر خانخاناں جانتا تھا کہ اگر وہ پلٹ پڑا تو پھر اسکا مقابلہ
کرنا پڑیگا۔ ایلفنسٹن صاحب لکھتے ہیں کہ بارہ برس کی جنگوں کے بعد مظفر شاہ پکڑا گیا کہتے ہیں کہ یہ
اکبر سے معافی مانگنے کے لئے آگرہ جاتا تھا اسکا گلا بیرحمی سے استرے سے کاٹ ڈالا گیا اور پھر گجرات
میں بخوبی امن ہو گیا۔ بڑی کارگذاریاں جو خانخاناں نے دکن میں کیں وہ ہمیشہ اسکی تاریخ میں
یادرہیں گی اور ان ہی واقعات سے اسکی تاریخ کے صفحے سنہری ہو گئے ہیں۔

خانخاناں مالوہ کا انتظام کر رہا تھا کہ اکبر کا پروانہ پہنچا کہ فوراً دکن روانہ ہو حکم ہوتے ہی یہ دکن روانہ
ہوا۔ یہاں شہزادہ مراد پہلے ہی سے محاصرہ کئے پڑا تھا۔ کچھ دن تک دونوں باہم ملکر کام کرتے رہے مگر
آخر میں ٹھن گئی اور اسکا یہاں تک طول کھنچا کہ اکبر کو بھی معلوم ہو گیا کہ دونوں کی چھین رہی ہی ایسا نہ ہو کہ

تلواروں پر ہاتھ پڑ جائے۔ دور اندیشی سے دونوں کو واپس طلب کر لیا۔ موزخوں نے دونوں کی ناچاقی کے مختلف اسباب لکھے ہیں مگر ان اختلافات سے اسقدر معلوم ہوتا ہے کہ مراد ضدی اور شرابی بہت تھا جو کچھ اسکی سمجھ میں آتا تھا چاہے وہ درست ہو یا نہ ہو اسے کرنا فرض تھا۔ ایسی بے نتیجہ باتوں اور ناواجب افعال سے خانخاناں روکتا تھا اور شہزادہ مراد ضد کرکے ان کاموں کو کرتا تھا۔ مراد کو واپس بلا کر اکبر نے دانیال کو ایک فوج کی سرکردگی میں روانہ کیا۔ **خانخاناں** بھی دانیال کے ساتھ فوج لیکر بڑھا اور احمد نگر کا محاصرہ کر لیا۔

چاند بی بی یا چاند سلطانہ کی ناگفتہ بہ حالت تھی۔ حبشی سردار جو اول ہی محاصرہ پر اس سے آکر مل گیا تھا اب اس سے مخالف ہوگیا تھا اور اولٹا اسی کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ چاند بی بی خانخاناں اور دانیال سے معاہدہ کرنے کو تھی کہ حرمسرا میں اسے قتل کر ڈالا اسکا قتل ہوتا تھا کہ احمد نگر پر اکبری پھریرہ فراٹے بھرنے لگا۔

**خانخاناں** کو یہ فتح ماہ جولائی سنہ ۱۶۰۰ء مطابق صفر سنہ ۱۰۰۹ ہجری میں ہوئی اکبر نے دانیال کو خاندیس اور برار کی گورنری پر چھوڑا اور **خانخاناں** بطور مددگار کے رہا۔ دانیال **خانخاناں** کی بہت عزت کرتا تھا اور جو نصیحت کہ **خانخاناں** کیا کرتا تھا اسپر وہ بہت خوشی سے عمل کرتا تھا اکبر بہت ضعیف ہوگیا تھا تینوں شہزادے مرچکے تھے صرف جہانگیر باقی تھا جہانگیر کو یہ یقین نہ تھا کہ اکبر کے بعد میں تخت پر بیٹھوں گا بظاہر اکبر بوڑھا ہوگیا تھا لیکن اس کے مرنے کے آثار نہیں معلوم ہوتے تھے راجہ مان سنگھ جو خسرو کا ماموں تھا یہی چاہتا تھا کہ خسرو تخت پر بیٹھے در پردہ یہی خواہش **خانخاناں** کی تھی۔ جہانگیر نے محل میں آنا چھوڑ دیا تھا اسے خوف تھا کہیں مجھے کوئی قتل نکر ڈالے حالانکہ اکبر جہانگیر کی غیر حاضری سے سخت ناراض تھا سلیم نے اپنی بیماری کا بہانہ کیا مگر اسکے خلاف شاہجہاں گو ابھی بچہ ہی تھا ہر وقت اپنے دادا کے پاس بیٹھا رہتا تھا اور یہ کہتا تھا کہ مرض کی حالت میں اپنے دادا کو نہیں چھوڑ سکتا۔ اس عرصہ میں **خانخاناں** نے خسرو کو تخت پر متمکن کرنے کی صدہا تدبیریں کرلیں جب کارگر نہوئیں تو **خانخاناں** نے سلیم کو پوشیدہ ایک خط لکھا جسکا مضمون حسب ذیل ہے۔

شہزادۂ والاتبار کو معلوم ہو کہ میں ہر طرح سے حضور کی مدد کرنے کو موجود ہوں۔ حضور بلا خوف محل میں تشریف لیجا سکتے ہیں بشرطیکہ مجھے اس امر سے مطمئن کر دیا جائے کہ جب حضور تخت نشین

ہو جائینگے تو میرا یہی عہدہ اور یہی عزت باقی رہیگی بلکہ خلعت فاخرہ سے میں سرفراز کیا جاؤں گا اسکے علاوہ چند شرطیں اور بھی تھیں جن کو مورخوں نے درج نہیں کیا ہے۔ غالباً یہ شرطیں اپنے قیام کی ہونگی۔ جب راجہ **مان سنگھ** نے یہ دیکھا تو وہ بھی شہزادہ **سلیم** سے مل گیا اب شہزادہ سلیم محل میں بخوشی اکبر کے پاس حاضر ہوا۔

اصل یہ ہے کہ اپنا عہدہ بڑھانا سب ہی چاہتے ہیں **خانخاناں** نے یہ خیال کیا تھا کہ اگر خسرو تخت پر بیٹھ گیا تو میری قوت سلطنت بڑھجائیگی اور گویا میں ہی شہنشاہ بنجاؤنگا۔ یہ بہت بڑی خانخاناں کی عقلمندی تھی کہ اپنے **خلاف کوششوں** کو سلیم پر اظہار ہونے دیا اور جب اپنی کوشش ناکام پایا تو فوراً شہزادہ سلیم سے عہد و پیمان کر لیئے **خانخاناں** ایک بہادر جری اور خیر خواہ سلطنت تھا جنہوں نے ابوالفضل۔ اکبرنامہ۔ آئین اکبری دیکھی ہو وہ سمجھتے ہیں کہ **خانخاناں** کو کن الفاظ میں اکبر لکھا کرتا تھا اور اپنے پیارے مرزا خاں کی کتنی خاطر منظور تھی جب اکبر کی وفات ہونے لگی ہے تو اُسکے پہلے جو فقرہ اکبر نے کہا وہ یہ تھا۔ میرے بڑے جنرل تمہارے اتالیق مرزا خاں کا خیال تم ضرور رکھنا تمھارا فرض ہے کہ جو عزت اُسکی میرے سامنے ہے وہی میں چاہتا ہوں کہ تمہاری حکومت میں بھی رہے۔ پھر اور مختلف ارکان سلطنت کی نسبت جہانگیر سے سفارش کی بڑی بات قابل تعریف کے یہ تھی کہ اکبر کے ہاں جتنے فاضل علما برہمن پنڈت تھے سب مختلف جنگوں میں متعدد خطابات لیچکے تھے تو سب سے زیادہ جفاکش مرزا خاں تھا۔

# اکبر کا پانچواں رتن

## راجہ بیربل

یہ مشہور راجہ جسکے نام کی شہرت اکبر کے نام کے ساتھ ہے ۹۵۶ھ میں بنارس میں پیدا ہوا یہ اصل میں بھاٹ تھا۔ بھاٹ کو کیا خبر تھی کہ یہ ایک دن شہنشاہ کا مصاحب بنیگا اور دربار شہنشاہی میں

یہانتک دخل ملیگا اور ایسی شہرت ہوگی کہ جب تک اکبر کا نام دنیا میں روشن ہے راجہ بیربل کا نام فراموش نہیں ہوگا۔ جب بیربل پیدا ہوا تو اُس کے باپ نے دوستوں بھاٹوں کو بلوایا اور اُنکی خوب دعوت کی اُس زمانہ میں یہ دستور تھا کہ اگر غریب کے ہاں بھی بچہ پیدا ہوتا تھا تو اُسکا زائچہ طالع ضرور کھینچا کرتا تھا بیربل کا زائچہ تیار گیا۔ اُس نے بڑی دیر تک خیال کرکے یہ بتایا کہ تمھارا بیٹا بڑا نصیبہ والا ہوگا اور ایک عظیم الشان حکومت پر مقرر کیا جائیگا۔ یہ سنکر سب بھاٹ یہ خیال کرنے لگے کہ شاید بیربل کے باپ کے خوش کرنے کے لئے یہ کہدیا ہے کہاں بھاٹ کا بیٹا اور کہاں حکومت ابھی بچہ ہی تھا کہ اُسکی ماں کا انتقال ہوگیا۔ یہ مصیبت بیربل کے باپ پر بہت بڑی پڑی۔ اُس نے بڑی محنت سے اُسے پرورش کرنا شروع کیا۔ دن بدن یہ بچّہ پروان چڑھتا چلا گیا۔ جب اُسکی سات برس کی عمر ہوئی تو اُس کے باپ نے تمام وہ تعریفی اشعار جو امیروں کے آگے پڑھا کرتے ہیں یاد کروائے بیربل کا حافظہ بہت اچھا تھا۔ جو بات باپ یاد کراتا تھا اُسے وہ فوراً ہی یاد کرلیا کرتا تھا آٹھ برس کی عمر نہوئی تھی کہ باپ کا پورا سبق حفظ کرلیا۔ باپ اپنے چاہتے بیٹے بیربل سے بہت خوش تھا جس امیر کے پاس لیجاتا وہ اُسے خوب انعام دیتا۔ بیربل بے تکلف تعریفی اشعار اس بیباکی اور دلیری سے خوش لہجہ میں پڑھکر سناتا تھا کہ امیر حیران رہجاتے تھے۔

دو تین ہی برس میں بیربل نے اپنے باپ کو دولتمند بنادیا بیربل کے باپ کو ہوائے دولت لگی وہ بنارس سے اپنے بیٹے کو ساتھ الہ آباد لیکر آیا۔ یہاں بھی اُسکے خوب گہرے ہوئے چھنا چھن روپے ٹپکنے لگے۔ باپ کے اشعار پڑھتے پڑھتے یہانتک طبیعت کو روانی ہوئی کہ ٹوٹے پھوٹے ہندی شعر خود بھی موزوں کرنے لگا۔ یہانتک کہ بڑی عمر میں خاصہ شاعر بنگیا۔

بیربل کو یہ سخت بُرا معلوم ہوتا تھا کہ میں دربدر باپ کے ساتھ بھیک مانگتا پھروں گو پیدا ہوتے ہی اُسے بھیک کی عادت ڈالی گئی تھی۔ لیکن بیربل کی فطرت اُسے مجبور کرتی تھی کہ وہ اپنے باپ کے اُس قابل شرم پیشہ کو چھوڑدے اور سنسکرت کی تعلیم حاصل کرے۔

ایک دن الہ آباد کی ایک شاہرہ میں بیربل کی اُنگلی پکڑے اُسکا باپ جارہا تھا۔ سامنے ایک امیر کی سواری آرہی تھی بیربل کے باپ نے زور سے تعریفی اشعار پڑھنے شروع کیے امیر نے ذرا بھی توجہ نہ کی اور وہ امیر آگے بڑھا چلا گیا۔

بیربل کا باپ بیٹا اگر میری آواز کے ساتھ تم بھی آواز لگاتے تو یہ امیر ضرور کچھ نہ کچھ دیجاتا۔
بیربل ہے پتا یہ قابل شرم پیشہ کرتے کرتے جی اکتا گیا برائے خدا آپ اس سے درگذرے کیونکہ
اتنے دنوں کی بھیک سے ہمارے پاس اسقدر روپیہ ہے کہ ہم بآرام اپنی زندگی بسر کرسکتے ہیں آپ
ایک جگہ رہ کر مجھے تعلیم دلوائیے دیکھیے پڑھ لکھکر میں کسقدر روپیہ حاصل کرتا ہوں۔
بیربل کی یہ برجستہ تقریر اُسکے باپ کو بُری معلوم ہوئی وہ خاموش ہو رہا اور اُس نے کچھ جواب
نہ دیا۔ اُس کے چہرہ پر غصہ کی تمتماہٹ جلوہ دیرہی تھی۔ آنکھوں میں غصہ کے شعلے بھڑکنے لگے
تھے چونکہ اپنے پیارے فرزند سے ہمیشہ محبت کرتا تھا اسلیئے اُس نے گھُرکنا اور تادیب کرنی مناسب
نہ جانی بیربل اپنے باپ کے یہ تیور پہچان گیا فوراً اس بات کو جس نے اُسے رنجیدہ کیا تھا ٹالکر بیربل
ادھر اُدھر کی باتیں کرنے لگا۔
پندرہ برس کی عمر میں بیربل لاہور تھا۔ جب اُسکے باپ کا انتقال ہوگیا۔ دس ہزار روپیہ چھوڑکر
بیربل کا باپ مرا تھا بیربل نے فوراً ایک پنڈت سے سنسکرت شروع کی اور اُس سے یہ جاکر کہا کہ
برہمن ہوں اُس زمانہ میں پنڈت برہمن کے اور کسی کو نہیں پڑھاتے تھے پڑھانا کیسا سنسکرت
کی کتابوں کو ہاتھ بھی نہیں لگانے دیتے تھے۔ جس پنڈت سے بیربل نے پہلے تعلیم حاصل کی اُسکا نام
سندرلال تھا یہ اپنے عقیدہ اور مذہب میں بہت سخت تھا بیربل کی بات بات پر نظر رکھتا تھا
اور چند روز کے بعد اُسے شک ہونے لگا تھا کہ یہ برہمن نہیں ہے۔
بیربل گو بچہ ہی تھا لیکن بزلہ سنجی۔ فی البدیہہ اشعار موزوں کر دینے۔ حاضر جوابی اسمیں اول نمبر
کی صفتیں تھیں۔ اسکی ان مذاق انگیز باتوں سے سندرلال خوش تو بہت تھا مگر ساتھ ہی
اسکے اُسے بیربل کے برہمن ہونے میں شک تھا۔ وہ خوب جانتا تھا کہ برہمن کے لڑکے میں یہ مذاق اور
مسخرا پن نہیں ہوسکتا۔ اس عرصہ میں سنسکرت کی کئی کتابیں بیربل نے پڑھ لیں اور اب اُسے
اپنے اُستاد کی زیادہ حاجت نہ رہی۔ ایک دن بیربل بیٹھا ہوا پڑھ رہا تھا۔ سندرلال کی آنکھ
اُسکے اطوار اور تلفظ پر لڑ رہی تھیں کہ یکایک ایک نامعلوم خیال سے سندرلال چونکا اور آپ
ہی آپ متحیرانہ نظروں میں ادھر اُدھر تکنے لگا۔ بیربل کو سخت تعجب آیا کہ سبق پڑھاتے پڑھاتے
میرے اُستاد کو کس خیال نے ایسا متحیر بنا دیا کتاب بند کرکے یہ عرض کی کہ میں بھی بڑا ہی بدقسمت ہوں کہ میرے

ہی پڑھنے کے وقت کسی بیرحم خیال نے حضور کو متحیر بنا دیا کاش اگر وہ خیال جس نے حضور کو ہلا ڈالا ہے میرے سامنے مجسّم آجاوے تو ابھی قتل کر ڈالوں یہ سُنکر **سندر لعل** ہنسنے لگا اور اُس نے اپنی اُسی تحیر آمیز صورت میں یہ جواب دیا **بیربل** تیری ان ہی منطقی مسخراپن کی باتوں نے مجھے تجھپر بدگمان کر دیا ہے۔

یہ سنتے ہی **بیربل** چونکا اور اب سپر ایک فانی اور تحیر مستقل تردد و تذبذب کا دورہ ہونے لگا۔ تاہم **بیربل** نے اپنے کو سنبھالا اور خوب سادہ کر یہ استفسار کرنے لگا۔ یہ حضور نے کیا فرمایا میری کن باتوں نے حضور کو بدگمان کر دیا۔

**بیربل**۔ سناٹے میں ہو کر خوف کی بھری ہوئی آواز میں وہ باتیں آپ فرمائیں تو معلوم ہوں۔

**بیربل**۔ جانتا تھا کہ اسے قطعی معلوم ہو گیا کہ میں برہمن نہیں ہوں۔ اب اس نے اپنی تمام روحانی قوتوں کو جمع کیا اور جو کچھ سوال کہ اسکا اُستاد کرنے کو تھا پہلے ہی سے جواب دینے کے لئے مستعد ہو گیا۔

**سندر لال**۔ تم سچ بتاؤ گے اگر تم سے میں کچھ دریافت کرونگا۔ تم یہ جانتے ہو کہ میں تمہارا اُستاد ہوں اور یہ بھی شاید تم جانتے ہو گے کہ اُستاد کا حق شاگرد پر کتنا ہے اسلئے تمہارا فرض ہے کہ جو کچھ میں دریافت کرونگا سچ سچ بتا دو اور دھوکے میں نہ ڈالو۔

**بیربل**۔ جو کچھ حضور فرمائیں گے میں سچ سچ عرض کر دونگا۔ اُن حقوق کا جو معلم کے متعلم پر ہوتے ہیں نہ ہونا فضول ہے۔

**سندر لال**۔ تم برہمن نہیں معلوم ہوتے۔ یہ بات **سندر لال** نے نصف تذبذب و نصف یقین سے کہی ہی وہ خوفزدہ اپنے ظریف تیز طبیعت شاگرد کی طرف دیکھ رہا تھا دیکھئے کہ یہ کیا جواب دیتا ہے۔

**سندر لال** کو یقین تو ہو چکا تھا اگر پھر بھی شبہ تھا کہ شاید میرا خیال غلط ہو **بیربل** نے اپنے دل میں خیال کیا کہ اگر میں چھپاتا ہوں تو کچھ فایدہ نہ ہوگا اور اگر ظاہر کر دیتا ہوں تو میرا چنداں نقصان نہیں ہے ملا کی دوڑ مسجد تک اگر ہوگا تو یہ ہوگا کہ **سندر لال** مجھسے ناراض ہو جائیگا اور پھر مجھے نہ پڑھائیگا مجھ کو سنسکرت کی چنداں حاجت نہیں۔ اور کہیں چلا جاؤنگا۔ اس خیال میں **بیربل** کو پورا ایک منٹ لگ گیا اس عرصہ میں **سندر لال** کو یقین ہو گیا کہ یہ برہمن نہیں ہے خوب سوچ سمجھ کر **بیربل** نے پوری اپنی کیفیت بیان کر دی یہ سُنکر **سندر لال** نے کچھ نہ کہا صرف اسقدر کہا کہ جو کچھ کیفیت ہے کسی سے میرا سوا نہ کہیں بلکہ چونکہ تجھے علم سے محبت ہے اور تو سچ بولتا ہے اس لئے میں بخوشی تجھے آیندہ بھی پڑھاؤں گا۔

چاہیے میں اس عذاب میں دوزخی کیوں نہوں۔ چند ہی روز میں سندر لال کا بھی یکایک ایک چھت کے نیچے دبکر انتقال ہوگیا اور بیربل سیدھا آگرہ آیا۔ سنسکرت میں پوری مہارت ہوگئی تھی اور اس عرصہ میں فارسی زبان بھی آگئی تھی۔ فوج کی تنخواہ بانٹنے کے دفتر میں ملازم ہوگیا یہ نیا ہی نیا ملازم تھا کہ ایک دن خان احمد اسکے افسر کے گھوڑے نے اپنے آقا پر حملہ کیا اگر بیربل کھڑا ہوکر اُس گھوڑے کی گردن میں اپنی آبدار تلوار سے زخم نہ لگاتا تو گھوڑا اپنے آقا خان احمد کو کھا ہی گیا تھا۔

خان احمد۔ بیربل کی یہ بہادری دیکھکر بہت خوش ہوا۔ اُس نے اپنے اعلیٰ افسر علی سے سفارش کرکے دفعداری کا عہدہ دلوا دیا۔ ہاتھ پیروں میں بھی یہ خوب موٹا تازہ اور چوڑا چکلا تھا۔ اپنی قابلیت اور لیاقت سے غرض یہانتک ترقی کی کہ اکبر کا معتمد خاص ہوگیا۔ بیربل میں بڑی صفت یہ تھی کہ اپنی اصلی ذات کو نہ چھپاتا تھا اور ہمیشہ یہ کہا کرتا تھا کہ میں نے اپنی قابلیت اور علمی لیاقتوں سے یہ عہدہ حاصل کیا ہے۔

جو باتیں کہ بیربل کی نسبت مشہور ہیں کہ یہ اکبر کے آگے محض مسخراپن کیا کرتا تھا محض غلط ہی کوئی معتبر تواریخ اس امر کی شہادت نہیں دیتی کہ بیربل نے ملادوپیازہ یا ابوالحسن سے کبھی ایسا مسخراپن کیا ہو۔ ہاں یہ ممکن ہوسکتا ہی کہ مہذب مذاق کے پیرایہ میں کچھ باتیں ہوجاتی ہونگی۔ اول تو یہ بات ہی کہ اکبر کا کوئی وقت ایسا نہوتا تھا کہ اُس میں مسخرےپن کو جگہ دیجاتی۔ اکبر کے اوقات کی تقسیم الفنسٹن صاحب نے اپنی تاریخ ہند میں مفصل لکھی ہے۔ ملمین نے بیربل اور اکبر کے مذاق پر ایک پُرمغز مضمون اپنی تاریخ میں لکھا ہی۔ وہ لکھتا ہے کہ بیربل ایک منتظم اور اعلیٰ درجہ کا رکن سلطنت تھا۔ یہ شخص مہذب متین اور سنجیدہ تھا۔ اسکی طبیعت میں مذاق بیشک بہت تھا لیکن ساتھ ہی اسکا مذاق تہذیب اور آداب شاہی کے دائروں میں محدود تھا بیربل ایک آزاد مذہب کا تھا۔ برہمنوں پنڈتوں کی کیفیت سے بہت کچھ واقف نہ تھا۔ جہاں شب کو تخلیہ ہوا اور بیربل کو اکبر نے برہمنوں سے بھڑا دیا۔ وہ وہ متین مذاق کے بھرے ہوئے جواب بیربل دیتا تھا کہ پنڈت ناچ ناچ اٹھتے تھے۔ اسی قسم کے بادشاہوں کے مذاق ہوتے ہیں اور یہی متین باتیں ہوتی ہیں کہ جن سے شہنشاہی رعب میں فرق نہ آئے اور طبیعت بہلجائے

بیربل گو خلیق اور شیریں زبان تھا۔ مگر ساتھ ہی اسکے سیلف ریسپکٹ بہت بڑی تھی۔ وہ اپنی آگے کسی کی کچھ نہ سمجھتا تھا جو فرائض کہ اُسکے لیے مقرر ہو گئے تھے اُنکو ایسی تن دہی اور ایمانداری سے کرتا تھا کہ اکبر ہمیشہ اُس سے خوش رہتا تھا۔ جب وہ اپنے فرائض کی انجام دہی میں ایسا چست و چالاک تھا پھر اُسے کسکی پرواہ ہو۔ بارہا جنگوں پر مختلف موقعوں پر بیربل نے بڑی بڑی فتوحات حاصل کیں۔ کیونکہ خونریزی میں اُسے پوری دستگاہ حاصل تھی۔ میدان جنگ کا شہسوار بیابان شجاعت کا رہ نورد جتنی صفتیں کہ ایک دل چلے بہادر میں ہو سکتی ہیں وہ سب اُس میں موجود تھیں جنگ میں دشمنوں کے پرے میں بےجگری سے پیٹھ جانا اور کچھ خیال نہ کرنا یہ بیربل ہی کا کام تھا۔ جہاں اور جس جنگ پر وہ گیا فتحمند ہی ہو کر آیا۔ مگر افسوس کہ افغانستان کی جنگ میں وہ بےموت مارا گیا اور یہ صرف اپنی ضد سے اُس نے اپنی جان دی۔ اگر ضد نہ کرتا تو اُسکا کبھی بال بھی بیکا نہ ہوتا چونکہ یہ حسرتناک اور دلچسپ قصّہ ہے اسلئے مفصلہ ذیل بیان کیا جاتا ہے۔

افغانستان کا کوہی ملک جو ابتک نہایت دشوار گذار تسلیم کیا جاتا ہے اُس زمانہ میں اور بھی سخت تر اور دشوار تر تھا۔ وہ وسیع میدان جو پشاور کے اردگرد واقع ہیں اور اُنکی پہاڑیاں جو دور ہی سے خوفناک معلوم ہوتی ہیں شمال سے تو ہندوکش کے مسلسل پہاڑ اُسے گھیرے ہوئے ہیں اور مغرب میں سلیمان پہاڑوں کا بلند اور وسیع سلسلہ ہے جنوب میں نشیبی پہاڑیاں ہیں جنہیں خیبر کہتے ہیں جو سلیمان سے انڈس تک پھیلی ہوئی ہیں۔ اِن لوگوں کو جو اِن اضلاع میں آباد ہیں۔ بُردرانیر کہتے ہیں اسکے شمال میں یوسف زائی قومیں بستی ہیں جو اور قوموں سے نسبتاً قوی تر اور بہادر ہیں جب میرزا حکیم اکبر کے سوتیلے بھائی کا انتقال ہو گیا تو افغانستان براہ راست اکبر کے قبضہ میں آگیا تھا۔ اکبر نے راجہ مان سنگھ کو یہاں کا گورنر مقرر کر دیا تھا۔ راجہ موصوف نے اپنی قابلیت اور لیاقت سے اِن صوبوں کو جو برائے نام اکبر کی عملداری میں شریک تھے مستقل طور پر اُنہیں اپنے قبضہ میں کر لیا اور اکبر کی حکومت پورے طور سے وہاں تسلیم کر لی گئی۔ اس بندوبست کے بعد بھی یوسف زئی فرقہ نے یورش برپا رکھی تھی۔ اور وہ ہمیشہ موقع بے موقع کبھی نہ کبھی غدر کر ہی بیٹھتے تھے جو کچھ ملک کی اصلی حالت تھی وہ راجہ مان سنگھ نے لکھ بھیجی۔ اکبر فوراً اپنے کیمپ سے ایک مہم بھیجنے کے لیے تیار ہو گیا۔ یہ موقع طبع آزمائی کا بیربل کو اچھا معلوم ہوا۔ اُسنے فرصت کیوقت اکبر سے عرض کیا

اگر حضور اس مہم پر مجھے روانہ کر دیں تو علاوہ ناموری کے ایک بات بہت اچھی ہوگی کہ میرے دشمنوں کا منہ بند ہوگا اور پھر مجھے اپنے دشمنوں میں سربلندی اور فخر کرنے کا موقعہ ملیگا اکبر نے پرسنل فیوز ٹ کی یہ بات منظور نہ کی اور کہاکہ میں نہیں چاہتا کہ میرا پیارا مجھ سے جدا ہو تمہاری گذشتہ خدمتیں کیا کم ہیں جو تمہیں اور بھی کارنمایاں کرنے کی ضرورت ہی بیربل نے پھر وہی جواب دیا کہ حضور یہی موقعہ بہت بڑا ہی جس سے میں اپنے مخالفین میں سربلندی حاصل کرسکونگا۔ جب اکبر نے دیکھا کہ بیربل نہیں ماننے کا ناچار ایک عظیم الشان فوج کی سرکردگی میں افغانستان کی طرف روانہ کیا دوسری فوج اکبر نے زین خاں اپنے کوکا کی سرکردگی میں روانہ کی۔ اسے کیا خبر تھی کہ اندونکی ناچاقی روز بد دکھائے گی اور بیربل کی جان جاتی رہے گی۔ ان دونوں نے دو طرف انڈس کے مشرقی جانب سے روانہ ہوکر یوسف زئی فریق پر حملے کئے۔ چونکہ ہم بیربل کی سوانح عمری لکھتے ہیں اسلئے ہم اُسکی فوج کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

بیربل نہایت کارآزمودہ سپہ سالار تھا۔ یہ اُسے پہلا موقعہ نہ تھا کہ جنگ میں مخالفین کے مقابلہ میں گھوڑا کدائے۔ بلکہ ایک تجربہ کار بہادر۔ مدبر شجاع تھا۔ انڈس کے مشرقی طرف اپنی فوج کو سمیٹے ہوئے بڑھا بیربل کے ہمراہ ابوالفضل کا بھائی فیضی بھی تھا یہ سیدھے بڑھے چلے گئے پہلے ان سے ایک رسالہ یوسف زیئوں سے مقابلہ ہوا۔ یہ رسالہ ایک پہاڑی میں چھپا ہوا تھا جب بیربل آگے بڑھا اُس نے پیچھے سے گولیاں چلائیں بیربل نے اپنی بڑھتی ہوئی بین ڈوری کو ٹھیرا دیا اور کچھ سوارلے کر تنہا اس رسالہ پر حملہ آور ہوا سیدھا پہاڑ پر چڑھ گیا اور آناً فاناً میں تمام یوسف زیئوں کو کاٹ کر ڈالدیا۔ یہ پہلی فتح تھی جو بیربل کو حاصل ہوئی پھر وہ آگے بڑھا دور دور تک تمام افغانی بستیوں کو اُجاڑ دیا اور تمام آبادیاں ویران کرتا ہوا افغانستان کے جگر میں بیٹھا چلا گیا۔ جتنا کھلا ہوا ملک تھا وہ تو اجاڑ دیا گیا۔ مگر اب بیربل اُس رستہ میں پہنچا جس کے چاروں طرف بلند بلند پہاڑیاں کھڑی تھیں۔ یہ پہاڑیاں اُس رستہ پر ایسی محیط ہو رہی تھیں کہ جہاں کوئی جگہ ایسی نہیں دکھائی دیتی تھی کہ فوج تو کجا ایک ہی شخص جا سکے۔ اور وہ بآرام نکل سکے۔ راستہ تنگ اور خوفناک سراندھیرا یہ سب چیزیں فوج کے حق میں زہر تھیں اور وہ فوج بھی وہ فوج کہ جو رستہ سے اتنی ناواقف ہو جتنے کہ وہاں کے باشندے۔ بیربل نے جب یہ صورت دیکھی تو اُس نے چاہا کہ اس خوفنا

گھٹا ٹوپ اندھیاری اور تنگ و تاریک گھاٹی سے نکلکر کھلے ہوئے میدان میں آؤں
یہاں تو بیربل کی یہ کیفیت تھی اور وہاں زین خاں اکبر کا سخت تر اور دشوار تر خوفناک اور
ہولناک پہاڑوں کو طے کر رہا تھا۔ اس اثنار میں خفیف خفیف جنگوں میں اُسے فتح بھی ہوتی
گئی تھی مگر آخر کار اُسے سخت مشکل پڑی۔ رسد کا سامان ہو چکا تھا بھوک پیاس میں ان خوفناک ورں
کو طے کر رہا تھا۔ جب زین خاں مجبور ہوا تو ناچار بیربل سے آکر مل گیا کہ دونو فوجیں ملکر آگے بڑھینگی
ادھر بیربل کی بھی قریب قریب یہی کیفیت تھی۔ یہ محض ناممکن تھا کہ یہ دونوں فوجیں بھی
ملکر کچھ کارروائی مخالفین کے آگے کر سکتیں جب تک کہ اکبر اور فوج نہ روانہ کرے۔

اب دونوں سرداروں کی تو تو میں میں ہونے لگی۔ زین خاں کچھ کہتا تھا بیربل کچھ کہتا تھا بڑی
دیر کی ہیص بیص کے بعد آخر یہ امر طے پایا کہ ہم ملکر ایک حملہ جی توڑ کر افغانوں پر کریں یہ دونوں افغانی
سرحدات کی طرف بڑھے اور انہیں ایک دشوار گزار رستہ سے واسطہ پڑا۔ بیربل گو زین خاں کیسا تھ
ہم رائے تھا اور دونوں ملکر اُسطرف بڑھے تھے لیکن دلوں میں دونوں کے صفائی نہ تھی بیربل
سیدھا اُس رستہ میں اُترتا چلا گیا۔ ایک دن بھوک و پیاس میں وہاں پہونچا۔ اور زین خاں اُس
پہاڑ کی چوٹی پر رہا بیربل کی فوج سارے دن کی بھوکی اور تھکی ہوئی تھی اور پھر تازہ دم افغانوں سے جنگ
شروع ہو گئی صدہا آدمی بیربل کے ضائع ہوئے اور آخر انہیں پریشان ہو کر کھلے ہوئے میدان میں
جانا پڑا جسوقت افغانوں نے بیربل پر حملہ کیا تھا اُسیوقت زین خاں کی بھی شکستہ فوج پر حملہ ہوا
تھا۔ اِسکی فوج بھی سخت پریشان ہوئی اور افغان پُورے چیرہ دست ہوئے۔

یہ دونوں افسر یعنے بیربل اور زین خاں بڑی مصیبت کے بعد باہم ملے اور چاہا کہ اپنی پریشان
فوج جمع کر کے دوبارہ چیرہ دست افغانوں پر حملہ کریں۔ زین خاں افغانوں کی تازہ دم فوجکو دیکھ
رہا تھا اور اُسے اپنی فوجکی شکستہ حالت کی بھی پوری اطلاع تھی اُس نے بیربل سے کہا کہ ہمارے لئے
یہی بہتر ہے کہ ہم عہد و پیمان کر کے اپنے کو دشمن کے حوالہ کر دیں۔ کیونکہ ہمیں مقابلہ کرنے کی قوت نہیں
ہے سوائے اِسکے ہم ذلت سے مارے جائیں اور کچھ حاصل نہو گا۔

بیربل نے زین خان کی اس رائے کو تسلیم نہیں کیا اور کہا کہ ہمارا میدان میں غارت ہو جانا بہتر ہے
بجائے اسکے کہ ہم اپنے شہنشاہ کی ذلت کریں اور اپنے کو دشمن کے حوالہ کر دیں بیربل نے اپنی فوج کو

الگ کر دیا اور سیدھا پہاڑی رستہ کی طرف فوج لیکر بڑھا۔ ادھر زین خاں کو یہ خبر ہوئی کہ شب کو افغان حملہ آور ہوکر مغلوں کی فوج کو نیست و نابود کر دینگے بیربل نے سوچا کہ میں اس پہاڑی رستہ میں جا کر سیدھی طرف نکل جاؤں گا۔ جو بیربل اُس گھاٹی میں پہونچا جسکے چاروں طرف پہاڑیوں کا خوفناک سلسلہ اُٹھا ہوا تھا اور رستہ تنگ تاریک ستہ کہ جس میں سے گھوڑا بھی مشکل سے جا سکتا تھا بیربل مع فوج کے رہ نورد تھا دھوکہ باز افغانوں نے پہاڑ پر چڑھ کر سنگ باری شروع کی بڑے بڑے پتھر برسائے اور تیروں کی بوچھاڑ جدا کی بہتیرا بیربل نے چاہا کہ کوئی صورت بچاؤ کی نکالے لیکن ممکن نہوئی مغلوں کی بہادر فوج ایسی ذلت و خواری سے قتل کی جا رہی تھی کہ چشم فلک بھی روتی تھی گھوڑے آدمی ہاتھی اس بے بسی سے قتل کئے جا رہے تھے کہ الہی توبہ بیربل کے ہاتھ میں ننگی تلوار تھی۔ وہ خونخواری سے اپنے افغان دشمنوں سے ہمیشہ دھو رہا تھا مگر اُسکی تمام شجاعانہ کوششیں اور بہادرانہ دوراندیشیاں خیرباد ہو گئی تھیں۔ اس خوفناک حالت میں بیربل اپنی فوج کے ساتھ قتل کیا گیا۔ •

زین خاں کی بھی بُری نوبت تھی گو وہ کھلے ہوئے میدان میں جانیکی کوشش کر رہا تھا مگر شب کو افغانوں نے اُسپر حملہ کیا فوج سراسیمہ ہوکر اندھیرے میں بھاگی صدہا قتل کئے گئے صدہا گرفتار ہو گئے اور زینخاں پا پیادہ اٹک کی طرف بھاگا۔ یہی صورت زینخان کے بچنے کی تھی یہ وحشت خیز خبریں ہولناکی سے شہنشاہی کیمپ میں پھیلیں۔ اکبر نے شہزادہ مراد اور راجہ ٹوڈرمل کی سرکردگی میں انتقام لینے اور افغانوں کو زیر و زبر کرنے کے لئے فوج روانہ کی شہزادہ مراد اور راجہ ٹوڈرمل نے ٹکڑے اڑا دئے تمام سرکش افغانوں کو نیچا دکھا دیا جب سینکڑوں افغان قتل ہو چکے تو شہزادہ مراد کو واپس بلا لیا اور وہاں کا انتظام راجہ مان سنگھ اور راجہ ٹوڈرمل کی سرکردگی میں رہا کچھ۔

اکبر کو بیربل کے مارے جانے کا اسقدر صدمہ ہوا کہ فوراً اُسکی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے اور اُس نے سرد سانس لیکر تلوار پر ہاتھ رکھکر کہا کہ جبتک بیربل کے خون کے عوض ایک لاکھ افغان تہ قتل کروا لونگا صبر نہ آئیگا۔ اکبر نے ہر چند چاہا کہ بیربل کی نعش ڈھونڈوا کر منگوائے مگر پتہ نہ لگا یکایک یہ خبر اور بھی مشہور ہوئی کہ بیربل زندہ افغانوں کی قید میں ہے یہاں سے آندھی اور مینہ کی طرح سے فوج روانہ کی گئی مگر وہ مظلوم سنگدلی اور بیرحمی سے قتل ہو چکا تھا اُسکی نعش تک کا پتہ نہ تھا۔ یہ اولوالعزم بہادر کس کے گھر پیدا ہوا اور کس عہدہ پر پہونچکر اپنی لعل سی جان اپنے ہر دلعزیز آقا کے اوپر نثار کر دی اسکا نام کبھی صفحہ عالم سے نہ مٹیگا

# اکبر کا چھٹا رتن

## زینخان کوکا یا ہمشیر اکبر

زین خاں جسکا مختصر ذکر بیربل کی سوانح عمری میں ہوچکا ہے عجیب و غریب فطرت کا شخص تھا اسکی لیاقتیں اور قابلیتیں مشہور انام ہیں کون ہی کہ جس نے زینخاں کے ایجاد کئے ہوئے باجوں کو ولایت کے عجایب گھروں میں دیکھکر تعجب حاصل نہ کیا ہو اور کون ہے جو اُسکی سوانح عمری پڑھکر عشق عش نہ کرتا ہو اُس نے کچھ ایسی باقاعدہ تعلیم نہیں پائی لیکن فطرت نے اسے ایسی قابلیت بخشی تھی کہ ہر شئے کو بآسانی سمجھ لیتا اور اُس میں عقل لڑا دیتا اور پھر اُس سے نتیجے پیدا کرنے یہ بہت آسانی سے اس نونہال باغ کامرانی کا کام تھا۔ زینخاں نے اکبر کے ساتھ پرورش پائی تھی مختلف جنگوں میں اکبر کا ہمرکاب رہ چکا تھا جب اکبر کو خانخاناں یعنے بیرام خاں پر فتح حاصل ہوگئی ہی تو اُس نے اُسکے چند ہی روز بعد آگرہ میں ایک عظیم الشان کالج کی بنیاد ڈالی۔ اس کالج میں بقول مسٹر الفنسٹن جس نے زیادہ دلی ورفیضی سی عربی لٹریچر کی تعلیم ہوتی تھی اُسی طرح اور زبانیں بھی سکھائی جاتی تھیں سب میں زیادہ سنسکرت کی پرزور تعلیم دیجاتی تھی۔ اکبر نے زینخاں کو اس کالج میں پڑھنے کے لئے بھیجدیا تین برس میں سنسکرت کو پورے طور سے پڑھ لیا اسکی تمام علوم اور فنون بھی زینخاں کو بخوبی آگئے۔

پھر عربی کی تعلیم دلوائی عربی بھی بہت جلد پڑھ لی ایک دن اکبر نے اُس سے دریافت کیا کہ تیری طبیعت کا رجحان کس طرف ہی اور تو اب کونسے فن کی تحصیل کرنا چاہتا ہی کوکا نے ہاتھ باندھکر عرض کیا کہ اگر حضور حکم دیں تو میں موسیقی سیکھنا چاہتا ہوں۔ اس کالج میں موسیقی کی بھی تعلیم ہوتی تھی۔ اکبر نے چند ماہران فن موسیقی سی زینخاں کو باقاعدہ خصوصیت کے ساتھ تعلیم دلوانا شروع کیا۔ جب سنسکرت و عربی علوم اُسکے آگے پانی ہوگئے تو موسیقی میں درک حاصل نا کیا بات تھی یہ موسیقی میں بھی چند سال کے عرصہ میں کامل ہوگیا شب و روز اکبر کو خوش رکھتا تھا اور ہمیشہ موسیقی فن میں نئی نئی باتیں ایجاد ہوتی تھیں۔ نئے نئے راگ و رنئی نئی راگنیاں نکالی جاتی تہیں ور فرصت کیوقت زینخاں ہی زینخاں تھے۔

بہت سی مشہور و معروف واقعات ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہی کہ اکبر اپنے کوکا پر کس درجہ جان فدا کرتا تھا

اور کو کا ہر وقت کیونکہ اکبر کے پسینے کی جگہ خون گرانے کو موجود تھا ایک خفیف سی شہادت اکبر کی محبت کی تو صرف یہی ہے کہ جب بیربل قتل کیا گیا ہے اور حکیم ابو الفتح فیضی واپس آئے ہیں تو اکبر نے دربار بند کر دیا اور کہا کہ میں نے تمہیں کس لیے بھیجا تھا کہ تم میرے دلی پیارے یا پرسنل فیوریٹ کو قتل کرا کے خود زندہ واپس چلے آؤ اگر تم وہاں نیست و نابود ہو جاتے تو بہتر تھا۔

زین خاں پر اکبر کا سب سے زیادہ عتاب ہوا اور اکبر نے اپنے سب سے زیادہ عتاب کی وجہ یہ بیان کی کہ میرے ساتھ پرورش پائی ہے اسکو لازم نہ تھا کہ اس بےعزتی سے واپس آتا اسکا قتل کیا جانا بہتر تھا بلکہ اکبر نے یہانتک حکم دیدیا کہ یہ یہاں سے ابھی چلا جائے۔ مگر پوشیدہ ابو الفضل سے کہدیا کہ ذرا خیال رکھنا یہ شکستہ خاطر اور شرمندہ ہو کر کہیں چلا نہ جائے یا غیرت میں خودکشی نہ کر لے۔ یہ قاعدہ ہے کہ جس سے زیادہ محبت ہوتی ہے اُسی پر زیادہ عتاب بھی ہوتا ہے اور پھر اس سے زیادہ محبت اور کیا ہوگی کہ زین خاں کی خبرگیری اپنے پرائم منسٹر سے کرائی۔

بماہ فروری ۱۵۹۶ء مطابق رجب ۱۰۰۴ھ ہجری میں جب اکبر بذات خاص دکن کی مہم میں سرگرم تھا زین خاں بھی پہلو بہ پہلو سفر کر رہا تھا۔ راہ میں ہرنوں کا ایک غول ملا اکبر نے کہا زین خاں تمہاری موسیقی کی بانگی جب جانیں کہ یہ ہرن خود بخود آکر سر دھننے لگیں بے سوچے زین خاں نے کہدیا حضور یہ تو کوئی بات نہیں ہے ابھی یہ ممکن ہے اگر حضور ابھی حکم فرمادیں تو میں ایک طرف میں جنگل میں جاکر کچھ بجاؤں کچھ گاؤں بظاہر اکبر مذاق ہی کر رہا تھا اُسے یقین نہ تھا کہ یہ موقع راست پڑیگا اور اسکا گانا اور دوتارا بجانا جبراً ہرنوں کے غول کو اپنی طرف کھینچ لیگا۔ زین خاں نے دور جنگل میں جاکر ایک ویرانہ میں گانا شروع کیا گاتے ہوئے نصف گھنٹہ گزرنے پایا تھا کہ سینکڑوں ہرن اُسکے آگے چلے آئے اور کھڑے ہو کر سر دھننے لگے اکبر کو یہ دیکھکر سخت تعجب ہوا کہتے ہیں کہ ۱۸ ہرن زندہ پکڑے گئے تھے۔

اس قسم کی بہت سی باتیں مشہور ہیں مگر وہ کچھ ایسی دلچسپ نہیں ہیں کہ ہم درج کریں اسلئے خاص اُن واقعات کا ذکر کیا جاتا ہے جنہوں نے زین خاں کی شہرت اکبر کے دربار میں دھوم دھام سے کر رکھی تھی اور ہر فرد بشر زین خاں کو اپنی آنکھوں پر بٹھاتا تھا۔ تان سین (جسکا ذکر ہم آیندہ کریں گے) اور زین خاں خوب گھٹتی تھی دونوں یہ اول نمبر کے گویّے اور موسیقی میں مہارت رکھتے تھے۔ کبھی زین خاں طبلہ بجاتا تھا اور تان سین گاتا تھا اور کبھی تان سین طبلہ بجاتا تھا اور زین خاں گاتا تھا۔ اصل یہ ہے کہ

زینخاں کی آواز بہت اچھی تھی زینخاں کی آواز کیساتھ موسیقی اصول ملے ہوئے اور بھی لطف دیتے تھے ایک دن اکبر کا پرائیوٹ دربار گرم تھا۔ زینخاں ایک پہلو میں بیٹھا ہوا تھا اور دوسرے پہلو میں تانسین مجلس گرم کررہا تھا۔ اکبر نے دریافت کیا زینخاں یہ بتاؤ کہ موسیقی کا علم کہاں سے نکلا اسکا کون موجد تھا اور یہ بیش بہا علم کس خوش قسمت فاضل سے سرسبز ہوا۔ یہ سوال ایسا تھا کہ جسکا جواب فوراً ہی ہونا ناممکن تھا مگر زینخاں نے فوراً یہ جواب دیا حضور یہ بیش بہا علم خدا سے براہ راست سرسبز ہوا ہے یہ جواب اکبر کو اچھا معلوم ہوا پھر زینخاں نے چند فقروں میں اسکی تشریح کردی۔ کہتے ہیں دوتارہ اور ستار یہ زینخاں ہی کا ایجاد کیا ہوا ہے۔ جہانتک موسیقی کی ایجادکت کی تحقیقات کی جاتی ہے کہیں سے نہیں معلوم ہوتا کہ زینخاں سے پہلے ستار اور دوتارہ کا نام پایا جاتا ہو اس سے پہلے ثابت ہوتا ہے کہ یہ زینخاں ہی نے ایجاد کیا ہے۔

جلال الدین شروانی نے بہت زور دیا ہے کہ یہ زینخان ہی کی ایجاد سے ہے جو ستار کہ اُس نے خود بنایا تھا اُسکا نقشہ بھی جلال الدین شروانی نے اپنی کتاب میں لکھا ہے اسلئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ غالباً زینخاں ہی اس عجیب شیریں ستار کا موجد ہو۔ علاوہ ان دو چیزوں کے بیسیوں باجے بھی اس نے ایجاد کئے تھے جن کا رواج عالمگیر کے وقت میں مدہم پڑگیا تھا۔ مگر محمد شاہ رنگیلے کے وقت میں پھر چمک گیا زینخاں کی تصنیفات کا فرانسیسی زبان میں بقول جلال الدین شروانی ترجمہ ہوا مگر افسوس ہے کہ ہم اردو تاریخ میں اُسکی تصنیفات کا ذکر نہیں پاتے۔

جلال الدین شروانی نے بھی مفصل ذکر نہیں کیا مطالب کا ایسا اجمال کردیا ہے کہ صاف سمجھ میں نہیں آتا بہرحال اسقدر معلوم ہوتا ہے کہ زینخاں ہر فن میں طاق تھا اسکی علمی قابلیتیں اسکی ہنرمندانہ باتیں جنگ میں اُسکی شجاعانہ تدبیریں ایسی نہ تھیں کہ اکبر جیسا قدردان نظرانداز کردیتا اکبر کا ایک تو ہمشیر اور دوسرے تمام گنوں میں پورا ایسا پیارا تھا کہ کوئی دم بغیر زینخاں کے اکبر کو تنہا رہنا گوارا نہ ہوتا تھا۔

علاوہ اور واقعات کے تین واقع بڑے مشہور ہیں جنہوں نے زینخاں کو تمام سلطنت میں نامور بنا دیا تھا پہلا واقعہ جو بہت مشہور ہے قلعہ چتوڑ کا ہے جس نے اکبر اور تمام ارکان سلطنت کے دل ہلا دیے تھے کہ زینخاں صرف ماہر علوم و فنون ہی نہیں بلکہ بہت بڑا بہادر اور دل چلا ہے چتوڑ کا قلعہ جس نے دیکھا ہے وہ کہہ سکتا ہے کہ کیسا مضبوط بلند پہاڑ پر بنا ہوا ہے اُس زمانہ میں کہ جب توپ گولے کا اعلیٰ سامان تھا اور نہ سفر کی کھلی ہوئی راہیں

تھیں ایسے عظیم الشان دشوار گذار قلعہ کا فتح کر لینا اعجاز تھا۔ جب محاصرہ کو زیادہ زمانہ گذر گیا تو زینخاں نے ایک دن کھانے وقت یہ عرض کیا کہ ایک ترکیب مجھے سوجھی ہے اگر اُسپر عمل کیا جائے تو قلعہ بہت جلد ہمارے قبضہ میں آجائیگا یہ باتیں ایسی تھیں کہ اکبر توجہ نہ کرتا اُس نے بہت شوق سے کہا زینخاں اس سے بہتر اور کیا چاہیئے کہ یہ قلعہ ہمارے ہاتھ لگجائے ضرور بتاؤ وہ کیا تدبیر سوچی ہے خدا کری راستے زینخاں نے دست بستہ عرض کیا حضور اگر پائین قلعہ ٹیلہ ایک مٹی کا قایم کیا جاوے اور وہ دروازہ تک پہونچ جائے تو ہم آسانی سے اُسپر چڑھ کر دروازہ قلعہ کو اپنے قبضہ میں کر اسکتے ہیں۔ بظاہر یہ تدبیر کو اسقدر وزن نہیں رکھتی تھی جلتی کہ زینخاں نے سمجھکر کہی تھی مگر پھر بھی اکبر کے دل کو لگی او اُس نے زینخاں کا شکریہ کہکے رخصت کیا اور آپ یہ تدبیر سوچنے لگا۔ سوچتے سوچتے یہ بات سمجھ میں آگئی مگر دقت یہ تھی کہ وہاں جا ہی کون سکتا تھا۔ جہاں راجپوتوں کی زد پڑ آیا اور اُنہوں نے تتی دکھائی گولے نے آناً فاناً میں فیصلہ کر دیا اکبر گو اسی تردد میں کئی دن گذر گئے پھر زینخاں نے عرض کی حضور اس تدبیر کو میں سمجھتا ہوں کہ شاید وقعت کی نظر سے نہیں دیکھا یہی وجہ ہے کہ اُسپر عملدرآمد نہیں ہوا اکبر نے جواب دیا کہ تمنے تدبیر تو اچھی سوچی ہی لیکن اسکا عملدرآمد بھی تم ہی کرو تو زیبا ہی یہ سنتے ہی زینخاں موجود ہو گیا اور اُسی وقت اپنے ہمراہی سواروں کو لیکر روانہ ہوا۔ راجپوت گولہ باری برابر کر رہے تھے اور یہ بہادر گردن نیچی کیئے ہوئے بڑھا چلا جا رہا تھا۔ جب ٹھیک دروازہ پر پہنچا تو اُس نے اپنے ہاتھ سے مٹی کی ٹوکری اُس جگہ ڈالی اور جتنے اپنے ساتھ ہمراہی تھے سب سے ایک ایک ٹوکری ڈلوائی اس درمیان میں گولہ باری بند نہیں ہوئی لطف یہ تھا کہ ایک شخص کا بھی زینخاں کے ہمراہیوں میں سے بال بیکا نہوا۔ یہ نظارہ صرف مغل فوج ہی میں قابل تعجب نہ تھا بلکہ راجپوتوں نے بہت خوف کھایا اور وہ یہ سمجھے کہ مسلمان جادوگر ہیں یہاں جادو کرنے آئے تھے ورنہ محض ناممکن تھا کہ اتنی گولہ باری ہوئی اور اُن میں سے ایک متنفس بھی نہ گرتا۔ جتنے اضلاع کہ قریب قریب تھے اکبر نے وہاں کے مزدوروں کو بلا کر کہا جو مزدور ایک مٹی کی ٹوکری وہاں ڈال آئیگا اُسے ایک پیسے کا ایک روپیہ ملیگا ہزارہا غریب مزدور ٹوٹ پڑے اور اُنہوں نے دو چار ہی روز میں ایک ٹیلہ کھڑا کر دیا۔ ان مزدوروں میں فیصدی دس یا گیارہ راجپوتوں کی توپوں کے نذر ہوئے۔ جب وہ ٹیلہ مکمل ہو چکا تو اکبر نے زینخاں سے کہا بہادر اسکی بنیاد تم نے ڈالی تھی اب اُسپر چڑھ کر پہلا حملہ بھی تم ہی کرو تاکہ یہ شگون نیک ہو جائے

حکم ہوتے ہی زنیخاں نے اُس رسالہ اور پلٹن کو آراستہ کیا کہ جسکی کمان اُسکے سپرد ہوئی تھی اور وہ سیدھا سبز کپڑے پہنکر قلعہ کے دروازہ کی طرف بڑھا۔
زنیخاں ایک خوبصورت شخص تھا اسکا رنگ گندمی اور جمیل تھا۔ گو قد اسقدر لمبا نہ تھا تاہم بُرا نہ معلوم ہوتا تھا اکبر کے کیمپ میں یہ بھی مشہور تھا کہ زنیخاں گھوڑے پر خوب سوار ہوتا ہی اپنے دستوں کو لیکر سیدھا اُس طرف بڑھا مخالفین برابر گولے برسا رہے تھے اور یہ آگے بڑھا چلا جاتا تھا یہانتک جب یہ قلعہ کے نیچے پہنچا تو راجپوت حصار ہی پر سے گولے باری کے بجائے بیتاب ہوکر نیچے آگئے اور دروازے کھولکر اُنھوں نے حملہ کیا ہی اُن کے لئے بہتر نہوا۔ اور دروازہ کھول کر باہر نکلنا تھا کہ ایک دندمچ گیا زنیخان نے یہ موقع غنیمت جانا اور اب وہ اس ٹیلہ سے جنگ کرتا ہوا سیدھا دروازہ کی طرف بڑھا۔
اکبر بھی اپنی فوج کا پرا جمائے ہوے ایسے موقع کا رستہ ہی دیکھ رہا تھا وہ فوراً یلغار کرکے بجلی اور مینہ کی طرح وہاں آپہنچا۔ راجپوتوں نے ہرچند کوشش کی کہ ہم پھر قلعہ میں چلے جائیں اور دروازہ بند کرلیں مگر ممکن نہ ہوا۔ زنیخاں گردن جھکائے ہوئے دروازہ کی طرف بڑھ رہا تھا اور مخالفوں کے زبردست حملوں کا جواب دے رہا تھا۔ چند ہی گھنٹے میں ہوا کا رُخ ادھر سے اُدھر پھر گیا اور اب قلعہ میں بجائے راجہ کے جھنڈے کے اسلامی ہلالی پھریرا اُڑنے لگا۔
گو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ فتح صرف زنیخاں ہی کے نام لکھی گئی بلکہ ہاں کُل مورخوں کا اسپر اتفاق ہے کہ چیتوڑ کی فتح کا بہت بڑا حصہ لینے کا مستحق زنیخاں سمجھا جاتا تھا۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ چند راجپوت نوجوان پوشیدہ اپنے باپ سے یہ عہد کرکے آئے کہ جسطرح ممکن ہوگا ہم دربار یا تخلیہ کے وقت اکبر کو قتل کرڈالینگے دربار میں وہ اکثر حاضر ہوتے تھے لیکن وہاں اُنہیں اپنی دلی مراد حاصل کرنیکا کوئی موقعہ نہیں ملا ایک دن وہ راجپوت نوجوان جنکی عمریں شاید اٹھارہ اٹھارہ بیس بیس برس کی ہونگی اُس پرایویٹ دربار میں حاضر تھے۔ میں اِس قصہ کو طول دیکر نہیں بیان کرونگا جیسا کہ جلال الدین شروانی نے بیان کیا ہی بلکہ اُسکا لُب لباب درج کیا جاتا ہی تاکہ دلچسپی کیساتھ کدورت نہ حاصل ہو وہ راجپوتوں کے سپوت جن کے پہلوؤں میں دو دو تلواریں لٹک رہی تھیں اور جن کے سینے پر کٹاریں اُڑسی ہوئی تھیں ایک طرف قرابین لٹک رہی اور دوسری طرف پیشقبض عجیب لطف دے رہا تھا

یہ راجپوت کے سپوت نہ تو کسی سلطنت کے مالک تھے اور نہ کہیں کے رئیس زادے بلکہ معمولی راجپوتو
ں کے بیٹے تھے جنہوں نے پوشیدہ مہارانا اُدے پور سے یہ سازش کر کے ادھر کا کوچ کیا تھا سپہ گری کے
ہنروں میں بڑے طاق تھے اکبر کو انکی اُٹھتی ہوئی جوانی کی بہار اور اُن کے جمیل اور حسین
چہرے سُڈول جسم اچھے معلوم ہوئے اُن سے وعدہ کر لیا تھا کہ تم فوجی مدرسہ میں کام سیکھو
بعد ازاں تمہیں فوج میں اعلیٰ عہدہ پر ممتاز کیا جائیگا۔
دربار میں پہونچنے کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ اُنہوں نے اکبر کو سپہ گری کے کرتب دکھائے تھے اور اپنے
کو بے ماں باپ کا ظاہر کیا تھا اکبر اُن سے چند ہی روز میں محبت کرنے لگا تھا۔ ایک دن جیسا کہ ہم
اوپر بیان کر آئے ہیں ایک پرائیویٹ انجمن میں بیٹھا ہوا تھا۔ تین چار اور نامعلوم آدمی بیٹھے ہوئے
تھے اور یہ راجپوتوں کے سپوت تھے بازنیخاں تھا۔
یکایک زنیخاں بیٹھے بیٹھے چونکا اور اُسکا یہ چونکنا کسی پوشیدہ بھید کی طرف ادعا کر رہا تھا۔
اکبر نے کچھ نہیں دیکھا کیونکہ وہ اُن راجپوت بچوں سے باتیں کر رہا تھا پھر زنیخاں چونکا اور ایکے
یہ چونکنا کوئی نہ کوئی اپنے میں وجہ رکھتا تھا۔ ایک راجپوت کے سپوت نے اکبر کو باتوں میں لگا رکھا
تھا اور دوسرے نے اپنا ہاتھ قرابین پر ڈال دیا تھا زنیخاں اُسکی تاک میں لگا ہوا تھا کہ اُس نے
قرابین کو اٹھا کر اکبر کی طرف داغی قرابین کا داغنا تھا کہ زنیخاں دغنے سے ایک آدھ لمحہ پہلے اکبر کے
آگے آگیا وہ گولی بازو کو توڑتی ہوئی نکل گئی اکبر اب بھی اُسیطرح بیٹھا ہوا تھا اُس نے اُن راجپوتوں کے
بچوں کی ذرا بھی پرواہ نہ کی یہ زنیخاں کی بہت بڑی جاں نثاری تھی کہ قرابین کے آگے سینہ سپر کر دیا
اور اپنا بازو تڑوا دیا۔ وہ دونو لڑکے بعد ازاں فوراً گرفتار ہو گئے اُن سے دریافت کیا گیا کہ تمہیں کس نے
بھیجا ہی یہ ظاہر ہے کہ تمہیں مجھ سے کسی طرح کی دشمنی نہیں ہوسکتی ضرور کسی نے بہکا کر تمہیں یہا
بھیجا ہے۔ یہ لڑکے بھی بڑے مستقل مزاج تھے اُنہوں نے مہارانا کا کچھ بھی ذکر نہیں کیا اور یہی
کہتے رہے کہ ہم اپنی خوشی سے یہاں آئے ہیں۔ آخر میں یہ لڑکے رونے لگے اکبر نے انہیں بغیر سزا دیے
چھوڑ دیا اور فوج میں اعلیٰ عہدوں پر مقرر کیا۔ یہ کام زنیخاں نے نہ صرف بہادری اور دلیری ہی کیا
بلکہ جاں نثاری اور خیر خواہی کا کیا علی حکیم۔ اور ہمام۔ ابوالفتح نے ۱۸۔ دن میں زنیخان
کے بازو کو اچھا کر دیا۔ اکبر زنیخاں سے کبھی ناراض نہ ہوا تھا۔ ہاں صرف افغانی جنگ میں بیربل

مارے جانے پر کسی قدر اکبر کو رنجش ہوگئی تھی جسکا مختصر ذکر اوپر کیا گیا ہی مگر بقول جلال الدین
شروانی کے اس رنجش میں بھی محبت ملی ہوئی تھی شہزادہ مراد کی سفارش سے زین خاں کا یہ
قصور معاف کردیا گیا تھا۔ جو مصیبت کہ زینخاں پر افغانستان کی جنگ میں پڑی تمام عمر نہ پڑی تھی بیربل
کی ناچاقی نے یہ روز بد دکھایا اگر بیربل۔ زینخاں کی رائے کو مان لیتا تو یہ روز بد دیکھنا نہ پڑتا زینخاں
چونکہ اکبر کے ساتھ مختلف جنگوں میں شریک ہوچکا تھا اسلئے خوب تجربہ کار تھا وہ جنگ کے اُتار چڑھاؤ
بخوبی جانتا تھا اُسے معلوم تھا کہ فلاں فلاں تدبیروں سے فتح ہوتی ہے۔ اُس نے ایک پہاڑ کی چوٹی پر اپنا
قبضہ کرلیا تھا اور وہ اُس پہاڑ کی جگہ کو چھوڑنا نہ چاہتا تھا مگر بیربل کی خودرائی اور ناچاقی نے
اُسکو بھی تباہ کیا اور اپنے کو نیست و نابود کردیا۔

جلال الدین شروانی نے زینخاں کے حالات قلمبند کرتے وقت ایک جگہ بیربل کی بھی تعریف
کی ہے کہ جب زینخاں کی یہ صلاح تھی کہ ہم مخالف افغانوں کے آگے ہتھیار ڈالدیں تو بیربل
کی یہ صلاح نہ ہوئی بیربل جانتا تھا کہ اگر یوسف زائی افغانوں کے آگے ہتھیار ڈالدیے تو علاوہ
ہماری توہین اور بیعزتی کے شہنشاہی رعب داب میں فرق آئیگا اور پھر کوئی بات نبائے
نہیں بنے گی جو کچھ جنگ کا واقعہ ہے وہ ہم بیربل کے حالات میں درج کرچکے ہیں۔ اسلئے اب ان حالات کا
دوہرانا کچھ ضرور نہیں صرف اُس شب کی کیفیت بیان کیجاتی ہے کہ جب خیبر کے درے کے قریب یوسف
زئیوں نے زینخاں کی فوج پر دھاوا کیا ہے اور شب خون مارا ہے وہ نظارہ بھی نہایت خوفناک تھا زینخاں
کی شکستہ فوج سمٹی ہوئی منتظر کھڑی ہوئی تھی۔ ہرچند زینخاں چاہتا تھا کہ اپنی فوج کے دلوں کو مضبوط
کردوں اور جوشیلے الفاظ میں افغانوں سے جنگ کرنے کے لیئے پرجوش بنادوں مگر اُسکی تمام تدبیریں
بیکار گئیں اصل میں زینخاں کی حالت خود ہی بیجا نہ تھی وہ اپنی عقلمندی سے بظاہر اپنی حالت
درست کئے ہوئے تھا وہ جانتا تھا کہ اس جنگ سے جانبر ہونا مشکل ہے فوج کو تین وقت کڑاکے
کے صاف گذر گئے تھے۔ علاوہ بھوک کے پہاڑوں کے خوفناک سفروں نے انہیں تھکا بھی دیا تھا
زینخاں باری باری سے ہر سپاہی کے پاس جاتا تھا اور انہیں اُنکی مصیبت ناک حالت میں ڈھارس
و دلیری دیتا تھا اور آیندہ انعامات اور بخششوں کا سبز باغ دکھاتا تھا مگر کسی پر اُسکی چکنی چپڑی باتوں
کا کچھ اثر نہ ہوتا تھا شب اندھیری اور خوفناک تھی مصفا آسمان پر ابر کے غلیظ غلیظ ٹکڑے بھی دکھائی دیتے

دکھائی دینے لگے تھے کہ یکایک دور سے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آوازیں آنے لگیں یہ آوازیں جوں جوں
پاس ہوتی جاتی تھیں اسیقدر زینخاں اور اُسکی فوج پر بُرا اثر پڑتا جاتا تھا۔ زینخاں نے یہ چال کی
کہ پہلے آگے بڑھکر خود للکارا اور ایک گولی بھی ماری مگر غضب یہ تھا کہ زینخاں کی اسبات نے بھی فوج
کچھ اثر نہ کیا۔ افغانی زینخاں کی فوج پر اسطرح آکر پڑے کہ جیسے بھیڑیا بکریوں میں آتا ہی بجائے
اسکے کہ زینخاں کی فوج اُن کے حملوں کا جواب دیتی صرف اپنے ہی بچانے میں پڑگئی زینخاں کی حقی خا
لکھتا ہے کہ کل فوج قتل کی گئی صرف ایک ہاتھی بچکر آیا تھا مگر ابوالفضل لکھتا ہے کہ صرف تین سو
آدمی مارے گئے تھے۔ ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا۔ غرض زینخاں تنہا پا پیادہ اندھیرے
ہی میں ایک طرف بھاگا اور جہاں منہ اُٹھا نکلا چلا گیا۔

یہ سیدھا اٹک کی طرف آیا اور پھر دربار شاہی میں داخل ہوا۔ دن بھر کسی ٹوٹے ہو۔ ئے مقبرہ
میں چھپا ہوا بیٹھا رہتا اور شب کو رستہ طے کرتا۔ پا پیادہ افغانستان کے خوفناک دروں سے آگرہ میں
آیا نہ اُسکے پاس ہتھیار تھے اور نہ کپڑے سلامت بچے تھے۔ اول ہی شب حکیم ابوالفتح کے ہاں آکر ٹھہرا
ابوالفتح پہلے ہی معتوب تھا اُس نے ڈرتے ڈرتے زینخاں کو اپنے گھر میں جگہ دی زینخاں پہلے ہی
تھا کہ اکبر میرے واپس آنے سے خوش نہیں ہوگا وہ ہی ظہور پذیر ہوا اگر اتنا موقع دیکھکر سفارش کر
تو اکبر کا غصہ ابھی چند روز اور بھی قایم رہتا۔

زینخاں۔ شاعر بھی تھا۔ کبھی کبھی اشعار بھی موزوں کیا کرتا تھا۔ اُسکے اشعار لطیف اور پُر مذاق ہوتے
تھے اُس نے ایک موسیقی کی کتاب کو نظم میں لکھا ہے۔ جس کتاب میں موسیقی کے تمام اصول بیان
کئے ہیں زینخاں کچھ دن فیضی سے اصلاح لیتا رہا۔ لیکن تھوڑے ہی زمانہ کے بعد اُسکا کلام محتاج اصلاح
نہ رہا تھا۔ زینخاں کے اشعار چونکہ سادے اور لطیف ہوتے تھے۔ اس لئے عوام کی زبان زد ہوتے
اور ہر شخص مزے لیکر پڑھا کرتا تھا۔ شیدا شاعر اسکا بہت دوست تھا۔ جس نے عرفی کا قافیہ
تنگ کر رکھا تھا عرفی نے تنگ آکر یہ قصیدہ کہا جسکا مطلع یہ ہے۔ جہاں بگشتم و دردا بہیچ ودیار +
نیافتم کہ فروشند بخت در بازار +

اُسکا جواب زینخاں نے شیدا کے اشارہ سے بہت خوب دیا تھا یعنے شعر چو مفلسی کہ نباشد بہ بہت
یک دینار + چہ سود از لفروشند بخت در بازار + یہ جواب دارالخلافہ میں بہت مشہور ہوا اور سب نے

اُسکی خوب تعریف کی فقط

# اکبر کا ساتواں رتن

## ملا عبدالقادر

یہ اکبر کا پرایویٹ سکرٹری تھا یہ اصل میں گیلانی نژاد تھا بسنہ ۱۵۴۲ء میں پیدا ہوا اکبر کی پیدائش بھی اسی سنہ میں ہوئی تھی لطف یہ تھا کہ جیسے ۱۴ اکتوبر سنہ مذکور کو اکبر پیدا ہوا وہ ہی ۱۴ اکتوبر سنہ مذکور کو گیلان میں ملا عبدالقادر عالم بطن سے ظہور میں آیا۔ اسکے باپ دادا ہمیشہ سے گیلان کے شاہوں کے ہاں بڑے بڑے عہدوں پر ممتاز رہتے چلے آئے تھے اور بعد ازاں ہند میں آکر اُسکا باپ عبدالرزاق مظفر شاہ کا اتالیق مقرر ہوگیا اور پھر مظفر شاہ کی جوانی پر قاضی القضات بنا دیا گیا عبدالرزاق اصل میں ایک صلح کل شخص تھا اُسکی مذہبی پولیسی ایسی سخت نہ تھی کہ جیسی ملاؤں کی ہوتی ہے کبھی چال چل جانا کبھی اپنی حکمت اور عقل کی روشنی جانا تھا جب عبدالقادر کی سولہ سترہ برس کی عمر ہوئی تو باپ اور بیٹوں میں ناچاقی کی ٹھیر گئی بیٹا کٹا ملا اور باپ دنیادار اس ناچاقی کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس نوعمری میں عبدالقادر سورت پہونچکر سیدھا مکہ معظمہ پہنچا۔ عبدالرزاق اپنے بیٹے کو بہت چاہتا تھا اور اُسے اپنے بیٹے کی یہ متعصبانہ باتیں (اگر اپنی ذات کے لئے نہوں) بُری نہ معلوم ہوتی تھیں۔ اُس نے ہر چند کوشش کی کہ اپنے معصوم نوجوان کو اس ارادہ سے باز رکھوں لیکن ممکن نہوا اور یہ سیدھا مکہ معظمہ پہنچا۔ باپ کی محبت نے یہ تقاضا نہ کیا کہ میں گجرات میں بیٹھا رہوں اور بیٹا بے سروسامانی کی حالت میں مکہ کی شاہراہوں میں بھٹکتا پھرے۔ وہ مامتا کا مارا بھی مکہ کی طرف روانہ ہوا لیکن بدقسمتی سے مکہ کے پہونچنے کے دو تین ہی دن کے بعد انتقال کر گیا بیٹے عبدالقادر نے یہ سمجھا کہ چونکہ اُسکا دل آلائش دنیا سے پاک نہ تھا اسلئے خدا نے نہ چاہا کہ میرے گھر میں ایسا ناپاک شخص رہے۔ اس امر نے عبدالقادر کو اُسکے بوڑھے باپ پر آنسو بھی بہانے دئے۔ دوسرا غضب یہ ہوا کہ عبدالقادر نے جتنا روپیہ کہ اُسکا باپ چھوڑ مرا تھا سب مفلسوں کو اس خیال سے دیدیا کہ شاید اس روپیہ کے استعمال کرنے سے خدا مجھسے ناراض ہو مگر خوش قسمتی سے جوں جوں عبدالقادر بڑا ہوتا گیا یہ جنوں کم ہوتا گیا۔ اور اسکی وجہ یہ تھی کہ سفر

میں مختلف لوگوں سے پالا پڑتا ہے۔ زمانہ کے اُلٹ پھیر نے رفتہ رفتہ اُسے تجربہ کار بنا دیا اپنے مرحوم باپ کو محبت کی نظر سے دیکھنے لگا اور وہ حقارت جو پہلے اُسکی طبیعت میں تھی جاتی رہی۔
یہاں مکہ شریف میں عبدالقادر نے دینی علوم کی تحصیل اپنے ہم نام ملّا سے جو زمانہ میں دمشق میں بڑا مشہور تھا اسکی لکھنے کی تو کچھ ضرورت نہیں ہے کہ یہ بہت بڑا ذہین اور طبّاع تھا سات آٹھ برس میں فقہ و حدیث تفسیر میں اُسے پوری دستگاہ حاصل ہو گئی۔ اپنے ہمنام اُستاد کے بھی کان کترنے لگا۔ جب اُسکی بہت شہرت ہوئی تو دُور دُور سے لوگ اُس سے ملنے آنے لگے اب کچھ کچھ امیر سوداگروں کو دیکھ دیکھکر عبدالقادر کے دل میں یہ شوق پیدا ہونے لگا کہ کچھ دولت بھی کمانی چاہیئے۔ ہندوستان کی مقناطیسی ہوائیں پھر اپنی طرف کھینچنے لگیں عبدالقادر کا اُستاد اُس سے بہت محبت کرنے لگا تھا آخر اُس نے اپنی لڑکی عائشہ نامی کی شادی اپنے شاگرد عبدالقادر سے کر دی یہ خوبصورت حسین جمیل لڑکی بھی خوب پڑھی لکھی تھی اسکی تقریر صاف اور شستہ تھی عقل سلیم اور فہم مستقیم رکھتی تھی۔ یکایک عبدالقادر کا ارادہ ہندوستان آنے کا ہوا ہر چند اُسکے خسر نے منع کیا لیکن اُس نے نہ مانا اور اپنی بیوی کو پہلے ہی سے جو ہند آنے پر راضی تھی ساتھ لیکر جدہ سے روانہ ہوا۔ بڑی مُصیبت اور طوفان کے بعد سورت میں پہنچا۔ ابھی عبدالقادر کے پاس روپیہ وافی تھا۔ سورت میں اُس نے ارادہ کیا کہ میں گجرات چلوں لیکن وہاں کی بے انتظامی اور فساد کی خبر سنکر وہاں جانا نہ چاہا بلکہ سیدھا اکبر کی طرف رخ کیا کئی دن اکبر آباد میں اجنبیوں کی طرح رہا۔ لیکن آخیر مرزا عبدالرحیم کے ذریعہ سے اور کچھ زین خاں کی سفارش سے اکبر کے دربار میں پہنچا عبدالقادر کے دماغ میں ہنوز ملانی ہوا سمائی ہوئی تھی اور وہ مذہب کھو لکر دولت حاصل کرنا نہ چاہتا تھا۔ اُس نے آتے ہی سلام علیکم کیا۔ یہ دیکھتے ہی اکبر کو تعجب ہوا کہ یہ کیسا متعصب ملا ہے کہ اس نے آداب شاہی کو بھی بالائے طاق رکھدیا۔ باینہمہ عبدالقادر کی ان باتوں نے اکبر کو مکدر خاطر نہ کیا اور وہ اس علم و فضل پر جو اُسے حاصل تھا دربار میں وقعت کی نظر سے دیکھا گیا۔
پہلے پہل قاضی کا عہدہ عبدالقادر کو ملا اُسکے بعد قاضی القضات کا عہدہ ہو گیا اور آخر ہوتے ہوتے یہانتک نوبت پہنچی کہ اکبر کا پرایویٹ سکرٹری مقرر ہو گیا۔ اب یہاں سے اُسکی زندگی کے حالات شروع ہوتے ہیں عبدالقادر گو فلسفی بھی تھا لیکن پھر بھی دنیات کا اثر اُس پر غالب تھا

ابوالفضل اور فیضی سے عبدالقادر کی ہمیشہ چپقلش رہتی تھی۔ جب کبھی اکبر کے دربار میں مباحثہ ہوتا تو عبدالقادر ایک طرف ہو جاتا تھا اور ابوالفضل خصوصاً فیضی دوسری طرف ایک بار فرشتوں پر بحث چھڑی اور بھی بہت بڑے بڑے مولوی تھے مگر ان مولویوں میں اسپوکسمین یعنے سوال و جواب کرنیوالا عبدالقادر ہی تھا ہمیں اس بحث کے درج کرنے سے یہاں غرض نہیں ہے صرف اتنا لکھنا کافی ہے کہ جب بحث ختم ہوئی تو عبدالقادر نے اکبر سے دست بستہ عرض کیا۔ حضور اگر حکم دیں تو مجسم فرشتوں کو دکھا دوں۔

اکبر۔ اگر یہ بات ہو تو اس سے بہتر پھر کیا ہو سکتا ہے تم نے اتنی بحث بھی ناحق کی فرشتوں کو دکھا دیا ہوتا چلو چھٹی ہوتی فیضی نے ہنسکر کہا کہ اگر تم فرشتوں کو دکھا دو تو میں بھی تمہیں آج ہی پورا باعمل عالم کہنے کو تیار ہوں۔

یہ سنکر عبدالقادر نے اپنے مولویوں کی جماعت کی طرف اشارہ کیا کہ دیکھو مجسم فرشتے بیٹھے ہوئے ہیں فیضی نے سنتے ہی یہ جواب دیا مجھے تو یہ سب شیطان نظر آتے ہیں بلا بھی بڑا چلتا ہوا تھا کہنے لگا کہ شیطانوں کو شیطان ہی معلوم ہوتا ہے فیضی نے پھر یہ سوال کیا اچھا ہم آپ کو کیسے دکھائی دیتے ہیں یہاں انکو بغلیں جھانکنی پڑیں اگر یہ جواب دیتا کہ تم سب شیطان ہو تو خود بھی شیطان بننا پڑتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ تم سب فرشتے ہو پھر کفر کا الزام قائم کرنیکا موقع نہیں ملنے کا۔

اکبر کو ملا عبدالقادر کے سکوت پر ہنسی آئی عبدالقادر نے جواب دیا حضور میں ان کی نسبت کوئی رائے قائم نہیں کر سکتا مجھے کچھ دکھائی ہی نہیں دیتا ان کے قلب کی ظلمت نے ان کے تمام جسم ہی کو ایسا چھپا رکھا ہے کہ ان کے چہرے ہی نہیں دکھائی دیتے اسی قسم کی باتیں ہوتی تھیں اور ہمیشہ فیضی عبدالقادر کو چھیڑا کرتا تھا۔

جمعہ کے دن خاص دربار ہوا کرتا تھا اور یہ دربار صرف علما کا شب کو منعقد ہوتا تھا ہر مذہب والے کو آزادی تھی کہ چاہے جس قسم کے سوال و جواب کرے اکبر صرف بیچ میں میٹھا سنا کرتا تھا اور کبھی ایسا بھی موقع ہوتا تھا کہ اکبر بعض بعض وقت خود بھی رائے دیدیتا تھا فیضی نے یہ سوال کیا کہ مولانا عبدالقادر صاحب آپنے ڈاڑھی اتنی کیوں بڑھائی۔ حضرت ٹھوڑی ڈھانکنے کے لئے یہی کافی ہے کہ دو چار بال ہوں نہ ایسی کہ بجہ دہد خرگوشے۔ اس سے قہقہہ اڑ گیا اور اب عبدالقادر کو

مشکل ہوئی کہ اسکا جواب کیا دوں۔ سوچتے سوچتے یہ بولا کہ تمہیں نسائیت غالب ہے تمہاری فطرت یہی ہے کہ عورت بننے کی کوشش کرو اور مردوں کی ہیئت جو خدا نے مقرر کی ہے بدلو۔ فیضی نے جواب دیا کہ صرف موچھیں ہی مردوں کے لیئے کافی ہیں۔ اِس پورے لٹکانیسے فائدہ ہمیشہ اسی قسم کی نوک جھوک ہوا کرتی تھی۔ ایک دن اکبر نے دریافت کیا کہ تم فیضی کی نسبت کیا فتویٰ دیتے ہو مولانا نے فوراً ایک فتویٰ تیار کیا اُس میں فیضی کی نسبت فتویٰ کفر دیا اور وہ باتیں جن سے کفر کا فتویٰ قایم ہوا تہا۔ یہ تھیں کہ فیضی قرآن کو نہیں مانتا پیغمبر آخرالزماں کی نسبت یقین نہیں رکھتا۔ خدا اور اُسکی لازوال قوتوں پر بھروسہ نہیں رکھتا۔ دنیا کو دایم مانتا اور غیرفانی تسلیم کرتا ہے۔ اس فتوی پہ فیضی نے قہقہہ اُڑایا۔ مگر دربار پر اُسکا اثر اچھا نہ پڑا کل سلطنتوں کے سفیر ہر وقت موجود رہتے تھے اُنہوں نے ایک ایک فتوی اپنے شاہوں کے نام روانہ کردیا عبداللہ خاں اوزبک نے اس فتوی کو بہت غور کی نظر سے دیکھا اور اُس سے یہ نتیجہ نکالا کہ جب اکبر کے مصاحب دہریہ ہیں اسلیئے اکبر بھی دہریہ ہوگا۔ اُس نے ایک لمبا چوڑا خط اکبر کو لکھا اور یہ لکھا کہ تمنے دہریوں کو بڑے بڑے عہدے دیدئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپکی توجہ بھی اسلام سے پھری ہوئی ہے اکبر نے اسکا جواب مذہبی پیرایہ میں لکھا تھا اور اُس میں یہ قطعہ عربی کا بھی درج کیا جو درج ذیل ہے قطعہ قیل ان اللہ ذوولد ۰ قیل ان الرسول قد کہنا ما نجا اللہ والرسول معاً ۰ من لسان الوری فیکف انا اکبر کے خیالات آزاد تھے وہ مذہبوں پر متعصبانہ نظر سے نہ ڈالتا تھا۔ مگر تاہم وہ یہ بھی نہیں چاہتا تہا کہ میں مسلمان مشہور رہنوں اور میرے ہمعصر سلطان مجھے مذہب کی رو سے حقارت کی نظر سے دیکھیں۔

عبدالقادر گو پرائیویٹ سکرٹری تھا مگر پھر بھی اپنے مذہب کا پابند تھا اکبر کی آزادی پسندی اور اُسکے وزرائی مذہب کی نسبت بے محابا رایوں نے اُسے جادۂ اعتدال سے نہیں ہٹنے دیا بلکہ وہ اور بھی دن بدن سخت ہوتا گیا۔

اکبر نے درباری ادب آداب (جو ہر شخص کے لیئے لازمی سمجھے جاتے تھے) جو دربار میں باریابی چاہتا تھا اُسپر اُنکی ادائیگی فرض ہوجاتی تھی مثلاً تین تین بار جھک کے سلام کرنا اور تین بار تحنیت کے پایہ کو بوسہ دینا۔ یہ سب فرض کے برابر تھیں لیکن صرف عبدالقادر ان درباری

آزاد کر دیا گیا تھا اکبر علم اور لیاقت پر مرتا تھا۔ خواہ کیسا ہی بد مزاج شخص ہو لیکن یہ اُسکی بد مزاجی کو اُٹھا کر اُسکے سب ناز سہتا تھا۔

ایک زمانہ میں عبدالقادر کچھ دن کے لئے سندھ کا گورنر مقرر ہو گیا۔ چونکہ اسکے مختلف درباری باتوں کے سننے سے زیادہ دلچسپی تھی۔ اسلئے اُس نے اپنے چھوٹے بھائی حکیم ہمام سے جو رکن سلطنت تھا کہدیا تھا کہ مذہبی درباری گفتگو کی تمام خبریں مجھے دیتے رہنا متواتر یہی خبریں اُسے ملتی تھیں کہ آج مذہب کی فلاں بات پر قہقہہ اُڑ گیا اور کل فلاں مُلّا کی ڈاڑھی پر پھبتیاں ہوئیں یہ خبریں سنتے سنتے مُلّا نے یہانتک ارادہ کر لیا کہ اب اکبر کے دربار میں نہیں جانیکا ادھر یہ ارادہ کیا ہی تھا کہ ادھر ایک فرمان اکبر کا پہنچا کہ تو فوراً حاضر دربار ہو یہ فرمان باقاعدہ بھیجا گیا تھا عبدالقادر نے پس وپیش کیا کہ اگر جاتا ہوں تو پھر وہی دہریہ پنے کی باتیں گوشگذار ہونگی اور اگر نہیں جاتا ہوں تو وقت آکر پڑے گی۔

کچھ دن تک جواب نہ دیا پھر دوسرا فرمان جاری ہوا اُس میں یہ تحریر کیا گیا کہ شاید تمہارا ٹھوس دماغ تمہیں آنے نہیں دیتا اور تمہیں فیضی سے ڈر لگتا ہی۔ مُلّا عبدالقادر یہ دیکھتے ہی جل گئے اور مُلّا کی رگ نے اُبھر زور باندھا۔ ایک سخت جواب مُلّا نے دیا جو کہ ایسا ہی ناتہذیب وسخت لغو ہے جیسا کہ مُلّا کی دماغ لکھتا ہے وہ جواب ولسن صاحب نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہی چونکہ وہ دلچسپ اور لطیف ہی اسلئے درج کیا جاتا ہے۔ وھوہذا۔

بندگان عالی کو معلوم ہو کہ مجھے حضور کی خدمت کا شرف حاصل کرنے میں نہ تساہل ہی نہ عذر ہی نہ میں فیضی کی فلسفیانہ گفتگو سے ڈرتا ہوں کیونکہ مجھے علم کلام پر پورا عبور ہی۔ پھر میں اُسکی منطقی اور فلسفی تقریر سے کیوں ڈرنے لگا مگر میں اسلام کی توہین سننا نہیں چاہتا۔ ہر چند میں نے کوشش کی کہ طلب پر حاضر خدمت ہوں لیکن نہیں ہو سکتا اور جبتک مجھے یہ معلوم نہو جائیگا کہ حضور بندگان عالی نے توبہ کر لی ہی اور فیضی۔ ابوالفضل دوبارہ مسلمان ہوئے ہیں ہرگز حاضر نہیں ہو سکتا۔ میں حضور بندگان عالی سے دریافت کرتا ہوں کیا آپ پر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح کوئی قرآن نازل ہوا۔ کیا آپ میں یہ قدرت ہی کہ آپ معجزے دکھائیں کیا حضور وہ مصائب اور تکالیف سہہ سکتے ہیں جو محمد عربی صلعم نے سہی تھیں کیا آپ کے اُس صبر کا حصہ ملا ہی جو ہمارے

نبی کو ملا تھا۔ جب کوئی صفت آپ میں نہیں ہے پھر آپ پیغمبر کیوں بنتے ہیں اور کیا وجہ ہے کہ آپ اپنا مذہب علیحدہ جاری کرنا چاہتے ہیں۔

حضور کی ان ہی باتوں سے میں متنفر ہوں اور دربار میں آنا نہیں چاہتا میری ڈاڑھی اڑتی اور اکثر واہیات قہقہہ اڑتا ہی میرے عقاید میری روش میرے مذہبی خیالات کو حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ یہ چند روزہ زندگی ہے اسمیں انسان چاہیے جو کچھ جی میں آوے کرے آخرت میں معلوم پڑیگی میں تو مکہ شریف ہجرت کرکے جاتا ہوں جو کچھ میرا فرض تھا وہ مینے عرض کر دیا اب حضور جانیں اور حضور کے دہریہ مصاحب۔

جوں ہی یہ خط اکبر کو پہنچا اور ابوالفضل نے اُسکا مضمون سنایا تو اکبر کو بہت رنج ہوا کہ ملا عبد القادر صرف اپنی ملائی طبیعت اور ٹھوس دماغ سے مکہ چلا گیا۔ تحریر ایسی لغو تھی کہ اکبر ہنسی کے سوا اور کیا کہہ سکتا تھا ملا عبدالقادر دو تین برس وہاں رہے لیکن وہاں مولانا صاحب کی طبیعت نہ لگی محض اکبر کے رحم اور قدر دانی پر ہندوستان کو مراجعت کی۔

جب سورت پہونچا تو ایک عرضی اکبر کی خدمت میں روانہ کی جسکا مضمون یہ تھا کہ جو خیالات حضور اور حضور کے دربار کی نسبت مکہ روانہ ہونے سے پہلے ظاہر کئے تھے۔ اُن کو میں واپس لیتا ہوں اور آیندہ ایسی لایعنی باتوں کے بکنے سے توبہ کرتا ہوں جو کچھ پہلے ہو بی میں بنے کی ہی وہ اس قابل ہرگز نہیں ہے کہ معاف کی جائے مگر میں تو اپنے کو مراحم خسروانہ اور قدر دانی حضور پر چھوڑ کر حاضر خدمت ہوتا ہوں۔ اکبر یہ سنکر کہ میرا پرائیویٹ سکرٹری آتا ہی بہت خوش ہوا۔ فوراً اپنے کئی ارکان سلطنت کو پیشوائی کے لئے روانہ کیا۔ مُلّا کی وہ ہی عزت کی گئی کہ جیسے پہلے ہوتی تھی۔ اور اُسی عہدہ پر ملا مقرر ہوگئے جب فیضی کا انتقال ہونے لگا ہی تو حضرت عبدالقادر بھی عیادت کے لئے تشریف لیگئے فیضی پر گوفانی اور قاتل جانکدنیاں دورہ کر رہی تھیں اور موت کا لمحہ قریب ہوتا جاتا تھا اگرچہ ابھی اُسکے مرنے میں تین دن باقی تھے اور وہ اگر چاہتا تو باتیں کر سکتا تھا۔ جوں ہی اُسکے مریض کمرہ میں (جہاں فیضی لیٹا ہوا تھا) عبدالقادر پہنچا فیضی غل مچانے لگا اور پکار پکار کر کہنے لگا اللہ مجھے قبل از وقت ہی مار لیوا جی حضرت فرشتے صاحب آپ کیونکر تشریف لائے۔ حالانکہ یہ نازک وقت تہا لیکن پھر بھی فیضی کا مسخراپن نہیں گیا۔ ناظرین کو یاد ہو گا کہ گذشتہ صفحوں میں ملا اپنے کو فرشتہ کہہ چکے ہیں

بیچارہ بہت شرمندہ ہوا اور یہ کہنے لگا فیضی تمہارے بھی عجیب خیالات ہیں ایسے موقع پر تو کلمہ لاالہ اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھنا چاہئیے۔

فیضی۔ ایسی عبادت کو سلام ہو کہ آپنے تو مجھے زندگی سے مایوس کر دیا جو شخص دنیا سے رخصت ہونے کو ہوتا ہے وہ ہی کلمہ شہادت پڑھتا ہے۔میں ابھی تو اچھا ہوں اور ابھی اس حالت سے اُمید کرتا ہوں کہ شاید دو تین دن اور بھی جیوں۔ اسلئے کلمہ پڑھنے اور توبہ کرنے کا بہت وقت ہی یہاں بھی مرتے مرتے فیضی نے ملّا پر ایک چوٹ کی۔

ملّا فیضی کی صورت دیکھکر رو اُٹھا اور کہنے لگا افسوس یہ باتیں اب ہم کیونکر سنینگے فیضی بھی ملّا عبدالقادر کو بہت چاہتا تھا دونو گلے ملکر خوب روئے فیضی نے اپنے دوست کے کہنے پر توبہ کی اور اُسکی ہدایت کی بموجب کلمہ محمدی بھی پڑھا۔ پھر بھی اکو یقین نہ آیا کہ فیضی نے سچے توبہ کی ہو اور یہ سچے دل سے کلمہ پڑھتا ہو کیونکہ ملّا عبدالقادر پرائیویٹ سکریٹری اکبر اپنی کتاب منتخب التواریخ میں فیضی کی بابت تحریر کرتا ہو کہ فیضی نے ہرچند توبہ کی اور مسلمان بننا چاہا۔ لیکن وہ مسلمان نہیں مرا۔ جیسا کہ ہم فیضی کے حالات میں مختصر اشارہ کر آئے ہیں ملّا عبدالقادر نے اپنی نادر تصنیف منتخب التواریخ میں تحریر کیا ہو۔ وہ ہم بجنسہ درج ذیل کرتے ہیں (ہمارا انتخاب سرایچ الیٹ کی انگریزی تاریخ سے ہی) وہو ہذا۔

فیضی جسکو میں ابتدا ہی زمانہ سے جانتا تھا کہ یہ دہریہ ہی۔ ہرچند یہ اپنے خیالات کے چھپانے کی کوشش کرتا تھا لیکن پھر بھی موقع بے موقع اُسکے خیالات ظاہر ہو جاتے تھے اُس نے اور اُسکے بھائی ابوالفضل نے اکبر کو دہریہ بنا دیا تھا۔ یہ دونو بھائی مذہب کے جادہ سے اکبر کو ہٹانا چاہتے تھے جسکی گت یہ بنی کہ فیضی کا تو مرتے وقت منہ سیاہ ہو گیا تھا اور ابوالفضل کا چالیس دن تک سنڈاس میں سر پڑا رہا۔ فقط یہ عبارت عبدالقادر کی ہے جو ہمنے ترجمہ کی اب سرایچ الیٹ کی رائے ملّا عبدالقادر کی بابت ظاہر کیجاتی ہے۔

مُلّا عبدالقادر حسب و نسب دونو جانب سے شریف تھا۔ اُسکی ماں سیدانی اور باپ قریشی شیخ تھا انکی اصل یعنے اُن کے بزرگوں کا خاص وطن نجد تھا۔ یہ علم و دولت کی تحصیل میں گردش کرتے لگاتے ہندوستان میں آگئے تھے اُس زمانہ میں گجرات کی سلطنت قوی تر اور نسبتہ مہذب تھی

اسلئے گجرات ہی میں سکونت اختیار کی۔

ملا عبد القادر جب پڑھکر فارغ ہوا تو اُسکی فاضل اور قابل طبیعت کا رجحان مذہب کی تقلید پر استواری سے ہوگیا۔ یہ اُس جاہلانہ طبیعت اور دماغ کا آدمی نہ تھا کہ جیسے کہ مذہبی لوگ ہوتے ہیں بلکہ یہ اسی قابل تھا کہ اکبر کے پرایویٹ سکریٹری کا عہدہ اُسے ملے۔ اکبر اس سے ایسا ہی خوش تھا کہ جیسے باپ اپنے کہامان اور فرمانبردار بیٹے سے ہوتا ہی۔ عبد القادر گو ملا تھا پھر بھی اُسکی طبیعت میں سکون تھا۔ تہذیب تھی۔ آداب لوازمات درباری کا پابند نہ سہی تاہم اکبر کے خوش رکھنے اور اپنے منصبی فرائض کے انجام دینے کی اُس میں بہت بڑی قدرت تھی یہ مختلف علوم کا بہت شایق تھا۔ ریاضی۔ فلسفہ۔ ہیئت۔ غرض سب علموں میں اسکے دخل تھا۔

منصف بہت بڑا تھا۔ جس مذہب کی جو بات اچھی ہوتی اُسکو بطیب خاطر تسلیم کرلیا کرتا تھا۔ جنگوں میں اکثر اُس نے کام دیا ہی جب میرزا حکیم اکبر کے چچازاد بھائی کابل کے قبضہ میں تقریباً کل پنجاب تھا انتقال ہوا ہی اور وہاں فتنہ وفساد کی آگ بھڑکی تو اکبر نے ملا عبد القادر کو روانہ کیا کہ کل ملک کو دبالے اور وہاں کوئی تازہ فتنہ نہ کھڑا ہونے دے عبد القادر صرف تین ہزار فوجکی سرکردگی میں پہلے لاہور پہنچا تین چار ضعیف مقابلوں میں لاہور پر قبضہ کرلیا اور پھر آگے بڑھکر پٹاور و قندھار و کابل فتح کرلیا۔

یہ کوششیں اور قابلیتیں نمایاں کارگزاریاں ہی تھیں جنسے اکبر نے درباری قیود اٹھادی تھیں اور ملا عبد القادر سیدھے سینہ تانے ہوئے حاضر دربار ہو جاتے تھے۔ علاوہ منتخب التواریخ کے اور بھی کئی کتابیں مذہب اور فلسفہ کی بابت تحریر کی ہیں۔ چونکہ اِن کتابوں میں مذہبیت بھری ہوئی ہی اسلئے اُنکی دلچسپی کم ہوگئی۔ کاش ملا آزادانہ کسی لائق اور قابل مسئلہ پر بحث کرتا تو اُسکی شہرت اسلام اور علما کی طرح تمام یورپ میں ہوتی فقط۔

یہاں تک سر ہیچ الیٹ کی رائے کا خلاصہ ہوا اب ایک مختصر نوٹ کرنیل کینڈی کی کتاب سے بھی منتخب کیا جاتا ہی کہ وہ اس فاضل کی نسبت کیا لکھتا ہی۔ بلفظہ کرنیل کینڈی کی کتاب سے ذیل میں درج کیا جاتا ہی۔ عبد القادر کو جسکی لیاقت وقابلیت کا اعتراف اکبری دربار کرتا ہے اور اسکے علمی مباحث نے اہل دربار کا اُسے پیارا بنادیا تھا بلاشبہ اُسکا شمار اُن نو شخصوں میں ہونا چاہیئے

جو اکبری دربار کے نورتن کہلاتے ہیں گو مذہب کی طرف اسکا رجوع بہت تھا اور یہ ہمیشہ مذہب ہی پر **ابوالفضل** اور **فیضی** سے جھگڑتا رہتا تھا تاہم اسکے دماغ کی ہمیں قدر کرنا زیبا ہی کتابوں پر اسقدر عبور تھا کہ شاید بہت کم کسی کو ہوگا بڑی بڑی عربی کی کتابیں اُسے حفظ تھیں مشہور یہ ہے کہ جسکا حافظہ اچھا ہوتا ہے۔ اُسکا ذہن غبی ہوتا ہے مگر **عبدالقادر** نے اُس طبعی تشخیص کو توڑ دیا تھا۔ وہ جس درجہ کا اپنی قوت حافظہ پر ناز کرسکتا تھا۔ اسی حد تک اُسے اپنے ذہن پر فخر کرنیکا موقع حاصل تھا۔ جتنے تاریخی واقعات اُس نے اپنی ضخیم کتاب میں درج کئے ہیں وہ نہایت صحیح اور قابل تعریف ہیں **ابوالفضل** اپنے اکبرنامہ اور آئین اکبری میں بعض بعض واقعات کو چبا بھی جاتا ہے اور کسی باعث سے ظاہر نہیں کرتا مگر یہ جو کچھ بیان کرتا ہے صفائی سے بیان کرتا ہے

اُس نے لکھا ہے کہ **اکبر** کے دربار کا سلام بجائے سلام علیکم کے اللہ اکبر تھا اور بجائے جواب سلام علیکم السلام کے جل جلالہ دیا جاتا تھا یہ بھی **ابوالفضل** و **فیضی** کا طفیل تھا کہ اُس نے بادشاہ کو ایسا دہریہ بنادیا تھا **ابوالفضل** و **فیضی** کی ان رایوں پر بحث کی ہے کہ جو اُنہوں نے اکبر کو مذہب کے بارہ میں دی تھی اور **اکبری** دربار کی اصلی اندرونی حالت سے بحث کی ہے۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر منتخب التواریخ نہ لکھی جاتی تو قابل اطمینان واقعے کبھی معلوم نہیں ہو سکتے تھے۔ یہ فاضل **اکبر** کے تین برس پہلے یعنی سنہ ۱۶۰۲ء میں عالم بقا کو سدھارا۔ فقط

# اکبر کا آٹھواں رتن

## تانسین

**تانسین**۔ جسکا اصلی نام ٹانٹا سینا یا **ٹوناسا ٹنا** تھا۔ اطایہ کا رہنے والا تھا۔ اسکی پیدائش میں مورخوں باہم مختلف الاقوالی ہے کوئی تو کہتا ہے کہ یہ بھی اطایہ ہی میں پیدا ہوا تھا کوئی لکھتا ہے کہ یہ ہندوستان میں پیدا ہوا تھا۔ مگر اسکی بابت جو کچھ **جلال الدین** شروانی نے لکھا ہے وہ یہ ہے۔ تاریخ سے اسقدر معلوم ہوتا ہے کہ اُسکی پرورش کشمیر میں ہوئی تھی اور یہیں سے تعلیم ملی تھی۔ اس سے اتنا پایا جاتا ہے کہ شاید کشمیر ہی میں پیدا ہوا سو لامحالہ یہ تو ضرور ہی تسلیم کرنا

پڑیگا کہ اُس کا باپ دادا اطالیئن تھے۔ اُن کے ہاں کئی پشت سے یہی گانے بجانے کا پیشہ ہوتا چلا آتا تھا۔ تان سین مجلس میں فخراً اسبات کو بیان کرتا تھا کہ میں حضرت داؤد کی اولاد میں سے ہوں خصوصاً جن کو موسیقی کی بیش بہا دولت خدا کی طرف سے مرحمت ہوئی تھی۔ اور اُنہیں ارشاد ہوا تھا کہ تم اپنی خوش آوازی سے خدا کی مخلوق کو ایمان پر لاؤ۔ ۱۵۶۳ء مطابق ۹۷۰ھ ہجری کو تانسین کشمیر سے لاہور آیا تانسین کی آواز قدرتی سُریلی اور بلند تھی۔ ایسی خوش آواز کو جب وہ موسیقی علم کے قاعدہ سے بلند کرتا تھا تو واہ واہ کا نعرہ چاروں طرف سے بلند ہو جاتا تھا تانسین جب لاہور میں آیا ہی تو نہایت بے سروسامانی کی حالت میں پہنچا۔ یہاں چند مہینے رہا گر دال نہ گلی اور کوئی صورت نہ نکلی پھر یہ دہلی چلا گیا۔ یہاں ملا سلامت کے ہاتھ پر مسلمان ہوگیا۔ اسکی عمر پوری اُٹھارہ برس کی تھی۔

ملا سلامت شاہی مسجد میں رہا کرتے تھے اور کچھ تصوف کے رستہ میں بھی اُنکا قدم تھا۔ آٹھویں دن اُنکے ہاں قوالی وغیرہ ہوتی تھی شہر کے اُستاد اُستاد خوش الحان گویے آتے تھے اور اپنی اپنی بانگی دکھاتے تھے تانسین گو موسیقی کے اصول سے بخوبی واقف تھا اور اُسکی آواز بھی اچھی تھی لیکن ابھی اپنے علم کو عمل میں لانے کا موقع نہیں ملا تھا اِسلیئے وہ گاتا ہوا جھجکتا تھا ایک دن اُس سے نہ رہا گیا اپنے پیر سلامت سے عرض کیا اگر حکم ہو تو آج میں بھی کچھ گاؤں۔ ملا سلامت نے سادگی سے اجازت دیدی بڑا مجمع ملا سلامت کے مکان پر ہو رہا تھا اور بڑے بڑے قوال اور گویے بھی بیٹھے ہوئے تھے تانسین نے جب اپنا گانا شروع کیا تو سب کے کان کھڑے ہوئے اور اب لوگ متوجہ ہو کر سُننے لگے۔ ادھر قوال اور گویے بھی متوجہ ہوئے پھر جو سماں بندھا ہے کیفیت آ گئی۔ جو لوگ کچھ بھی اصول موسیقی سے آگاہ تھے وہ تو بیتاب ہو کر اپنا سر چوکھٹ سے دیدے مارنے لگے اور جو محض اصول موسیقی سے ناآشنا تھے اُنکی کیفیت بھی دگرگوں ہوگئی۔ جب گا چکا تو بڑے بڑے گویے جن کی شہرت بہت تھی اور جو فن موسیقی میں اعلیٰ درجہ کے تھے اِس نوجوان بچہ کے پیروں پر گر پڑے اور دست بستہ گذارش کی کہ آپ ہمیں اپنا مرید بنالیں اور اپنا شاگرد کر کے کچھ سکھایئے۔

ملا سلامت یہ دیکھتے ہی نہال ہوگئے اور انھیں تانسین پر قبضہ پانیکی اسقدر خوشی ہوئی

کہ شادی مرگ ہوتے ہوتے رہ گئے۔ اب کیا تھا بڑے بڑے رئیس اور صوفی تانسین کو ہر وقت گھیرے رہتے تھے تانسین اسقدر بچا کہ ملا سلامت کو یہ خوف معلوم ہوا کہ کہیں کوئی رئیس یا کوئی صوفی تانسین کو میرے پاس سے جُدا نہ کرلے۔ ایک دن ملا سلامت نے تانسین سے کہا کہ میں تم سے چند باتیں کہنی چاہتا ہوں خدا کرے وہ تمہاری سمجھ میں آجاویں اور تم انہیں تسلیم کرو تانسین ذاتی شریف شخص تھا وہ ملا سلامت کو اپنا دینی باپ جانتا تھا اور اُن کے اشارہ پر کام کرتا تھا جو کچھ ملا کہتے تانسین اُسے کلام مقدس جانکر عمل کرنے لگتا۔ اُس نے دست بستہ گذارش کی کہ جناب مولویصاحب میں آپ کو اپنا دینی باپ جانتا ہوں اور یہ بھی مجھے یقین ہے کہ جو کچھ آپ میرے لئے فرماتے ہیں وہ سب صحیح اور درست ہوتا ہے میں آپکی ہر ہدایت کو ماننا اور ہر قول پر ایمان رکھنا اپنا طریقہ اور اپنی نجات جانتا ہوں آپ بلا تکلف فرمائیے مجھے اُسکے قبول کرنے میں کچھ عذر نہو گا یہ سنتے ہی ملا سلامت نے مفصلۂ ذیل فقرے کہے۔

میں چاہتا ہوں کہ کسی دوسرے شہر کو چلا جاؤں میں مناسب نہیں جانتا کہ مخالفوں میں اپنی عزیز زندگی برباد کروں۔ تانسین۔ ہائیں آپکے یہاں مخالف بھی ہیں حالانکہ یہ مجھے ابتک نہیں معلوم تھا۔ ملا سلامت تم نہیں جانتے ایک تو تم بچے اور دوسرے تم نئے آئے ہو میں خوب جانتا ہوں مجھے خوف یہ ہے کہ کہیں شہید نہ کردیں۔ تانسین اپنے پیر اور اوستاد کو جان دیتا تھا۔ اُسے دلی محبت تھی وہ ملا سلامت کی یہ بات سنکر راضی ہو گیا تانسین اور ملا سلامت ۹۵۹ھ مطابق ۱۵۵۱ء بتاریخ یکم رمضان چھپ کر دلی سے بھاگے اور سیدھے پشاور کی طرف روانہ ہوئے غالباً اُسلئے کہ دلی والوں کو بڑا افسوس ہو گا مگر ملا جی تو کہیں کہیں نے اُڑے جب یہ پشاور کی سرحدات میں پہنچے تو شب کو ایک کھو میں قیام کرنے کا اتفاق ہوا۔

ملا کو یہ خوف تھا کہ کہیں دلی کے گورنر نے آدمی یا سوار گرفتاری کے لئے نہ دوڑا دیئے ہوں صرف شب کو رستہ طے کرتے تھے۔ ایک دن راہ طے کررہے تھے کہ تانسین کی طبیعت بگڑ گئی ملا سلامت کو گھاٹی میں ایک کھو کے اندر قیام کرنا پڑا روپیہ وافی تھا مگر اسباب کچھ ساتھ نہ تھا تانسین چونکہ تھک گیا تھا سو رہا مگر ملا صاحب اپنے پیارے مرید کی خبرداری کرتے رہے کبھی بیٹھ جاتا تھا اور کبھی ٹہلنے لگتا تھا چاندنی خوب چٹک رہی تھی کہ یکایک ملا سلامت کو چند آوازیں آدمیوں کی معلوم ہوئیں

پہلی آواز یہ تھی گورنر نے یہ سختی کی ہے کہ اگر ملاّ اور تانسین نہ پکڑا گیا تو تم آنکالدے بچے جاؤ گے دوسرا بولا یہ سچ ہے لیکن ہم اُسے کہاں ڈھونڈیں۔
تیسرا بولا ڈھونڈ دیا نہ ڈھونڈ ملا اسلامت اور تانسین تو ملنے کا نہیں چوتھا بولا مایوس اور ناامید نہونا چاہیئے جوئندہ یابندہ۔ کہیں نہ کہیں مل جائینگے۔ پانچواں بولا جب تک ہماری جان میں جان باقی ہے ہم اُن کو اگر وہ زمین کی تہ میں چلے جائیں گے جب بھی تلاش ہی کرکے رہیں گے۔ اُسکی اُس اولالعزمانہ گفتگو سے اسکے سب ساتھیوں کی کمریں مضبوط ہوگئیں اور وہ تازہ دمی سے پھر ڈھونڈنے پر آمادہ ہوئے یہ آوازیں سنتے ہی ملا اسلامت کے ہوش اُڑ گئے اور اُن کے پیروں کے نیچے سے مین نکل گئی اور وہ سٹ پٹا کر ایک کونہ میں چھپ کر بیٹھ گئے اور تھر تھر کانپنے لگے۔
اِدھر اُدھر خیال دوڑاتا ہی لیکن اپنی نجات کی کوئی تدبیر نہیں نکلتی تھی ملاّ نے یہ سمجھا کہ اگر میں تانسین کو جگا کر انکے حوالہ کر دونگا تو پھر میرے یہ سر نہیں ہونگے اور میری جان بچ جائیگی اگر کمبخت وہیں چھپا ہوا بیٹھا رہتا۔ جب بھی خیر تھی ہوتی یہ خبر نہ تھی کہ تانسین کو حوالے کرکے بھی جان نہیں بچے گی۔ اپنی جان کے آگے اپنے بیگناہ اور چاہیتے مرید کی محبت بھی بالائے طاق رکھدی۔ بیوقوفی سے پاس آبیٹھا اور آہستہ سے جگایا۔ ابھی تو سویا ہی تھا نیند کچی تھی تانسین اُٹھ بیٹھا اور گھبرا کر دریافت کرنے لگا آپنے مجھے کیوں جگایا ہے خیر ہے۔
ملا اسلامت۔ یہ کچھ ایسا ہی وقت ہے مجھ سے کچھ بات نکرو اور سیدھے باہر اُٹھکر چلے جاؤ۔
تانسین پریشان ہوکر۔ حضرت آخر کوئی وجہ بھی میں کیوں باہر چلا جاؤں آپ مجھے اسکا اصلی سبب بتایئے ملا سلامت۔ اگر میری جان کی سلامتی چاہتے ہو تو مجھ سے اس کہنے کا سبب دریافت نکرو یہ سنتے ہی تانسین گھبراتا ہوا باہر نکل آیا۔ دیکھا کہ سامنے چند آدمی بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے ہیں۔ اُنہوں نے اسکی صورت کی طرف دیکھا بھی نہیں بلکہ خود اُسی نے ہی آواز دی کہ تم کون ہو اور یہاں کیوں بیٹھے ہوئے ہو۔ یہ سب گیارہ آدمی تھے اُن میں قیس سردار تھا۔
وہ اُسکی آواز سنکر آگے بڑھے اور جوں ہی قریب آئے اُنہوں نے تانسین کو پہچان لیا وہ سب صورت دیکھتے ہی خوش ہوگئے اور اُنہوں نے پرشوق لہجہ میں کہا میاں تانسین یہ تو فرمایئے کہ ملا اسلامت کو کہاں چھوڑا۔ تانسین کو یہ معلوم نہ تھا کہ یہاں یہ آفت ہی اور

یہ لوگ مُلا کی گرفتاری کے لیئے آئے ہیں۔ اگر مُلا ذرا بھی اشارہ کر دیتے تانسین خود اُن کے ساتھ ہو جاتا اور مُلا جی بچ جاتے۔ اِن گیارہ آدمیوں میں سوائے قیس کے تانسین اور کسی کو نہیں جانتا تھا۔ تانسین نے اُن سے متعجب ہوکر دریافت کیا کہ قیس تم نے دہلی کیوں چھوڑی اور تم اِن خوفناک گھاٹیوں میں اسوقت کہاں ٹہل رہے ہے۔

قیس۔ ہمنے بھی تمہارے ساتھ ہی دلی چھوڑی تھی تمہاری تلاش میں ہم اِن خوفناک گھاٹیوں میں آئے ہیں۔ یہ سنکر تانسین یہ سمجھا کہ شاید میرے گانے کی محبت انہیں یہاں لائی ہوگی تانسین نے محبت بھری آواز سے کہا آپئے اندر تشریف لائے مُلا اسلامت بھی تشریف رکھتے ہیں۔ جوں ہی قیس (کوتوال شہر) تانسین کے ساتھ اندر گیا مُلا اسلامت شانے سکیڑے ہوئے گردن شانوں سے بھڑائے ہوئے آنکھیں بند کئے ہوئے بیٹھے ہیں قیس نے جاکر کہا السلام علیکم مولانا سلامت۔ اب بھی مولانا سلامت کو خبر نہوئی جب اُس نے اُن کے بازو جھنجوڑے تو وہ گھگیاتے ہوئے اُٹھ بیٹھے اور ہاتھ باندھکر قیس کے پیروں پر گر پڑے کہ میری عزت اور جان تمہارے ہاتھ میں ہے۔

یہ سماں دیکھکر تانسین چکرایا اور قیس سے اصلی سبب دریافت کیا۔ جو کچھ کیفیت تھی قیس نے دہرادی یہ سنکر تانسین کو بڑا معلوم ہوا اُس نے حسرت بھری آواز میں مُلا اسلامت سے یہ کہا کہ آپ کسی کا کچھ چرا کر تو نہیں بھاگے۔ آپنے کسی کو قتل تو نہیں کیا۔ کسی کو دہوکا نہیں دیا میں کوئی غیر نہیں تھا۔ آپکا مرید تھا جیسا اب ہوں آپ کو ہرگز یہ لازم نہ تھا کہ آپ اپنا معزز عہدہ چھوڑکر گورنر کی بیجبری میں فرار ہو جاتے۔ بیشک یہ بڑی قابل شرم بات ہے۔

پھر تانسین نے سفارشاً قیس سے کہا کہ میں تمہارے ساتھ دہلی چلتا ہوں مگر آپکی بڑی عنایت ہوگی اگر آپ ملا اسلامت کو یہیں چھوڑ دوگے قیس نے جواب دیا تم آزاد ہو ہماری گورنمنٹ کے ملازم نہیں ہو۔ یہ حضرت مولانا صاحب ملازم گورنمنٹ ہیں اگر ہم انہیں لیکر دہلی نہ پہونچیں گے تو ہم علاوہ روزگار سے برطرف ہونے کے خبر نہیں کن کن سختیوں و جیل خانہ کی حوالات میں پھنسنیگے۔

قصہ مختصر یہ کہ ملا اسلامت اور تانسین نے ہر چند سفارش کی لیکن قیس نے ذرا بھی توجہ نکی۔ اور وہ اپنی اُسی ضد پر قایم رہا اور تانسین کو ملا اسلامت کے ساتھ قیس دہلی لیکر پہونچا

ملا سلامت کو یقین ہو چکا تھا کہ اب جان بچنی مشکل ہے دیکھیئے کیا صورت پیش آتی ہے پورے ساڑھے چار مہینے کی پریشانی کے بعد پھر ملا سلامت معہ تانسین دہلی میں داخل کیئے گئے گورنر دہلی کے دربار میں فوراً پیش ہوئے چند سوالات کے بعد تانسین کی سفارش پر ملا سلامت چھوڑ دیئے گیئے مگر نہ اُن کا وہ عہدہ رہا اور نہ ملا سلامت کو پھر دہلی میں رہنے کی اجازت ملی۔ اس عرصہ میں ملا سلامت کو دست آنے لگے اور وہ پانچ چار ہی دن میں راہی ملک بقا ہوئے۔ کچھ دن تک تانسین دہلی میں رہا یہاں بیرو کی طرح پجتا تھا گو تانسین کی آؤ بھگت سب سے زیادہ دہلی میں ہوئی تھی لیکن اُسکا دل نہیں لگا اور یہ چند روز رہکر سیدھا آگرہ پہنچا۔ اسکے گانے وغیرہ کی شہرت نہ صرف دہلی بلکہ آگرہ میں بھی ہونے لگی تھی اسلیئے کہ جو کیفیت کہ دہلی میں حاصل تھی وہ ہی یہاں ہوگئی۔ اس زمانہ میں اکبر بذات خود کسی مہم پر گیا ہوا تھا۔ اسلیئے آگرہ میں سوائے گورنر کے اور کوئی امیر نہیں تھا۔

اس عرصہ میں تانسین کی شہرت بخوبی ہوگئی نہ صرف شہرت بلکہ موسیقی کے اصول بھی منجھ گئے اور اب تانسین اس قابل ہوگیا کہ اکبر کو خوش کر سکے۔ چھ مہینے کامل تانسین یہاں ٹھیرا پھر سیدھا بہار اور بنگالہ کی طرف راہی ہوا۔ تانسین زیادہ تر یہ خوف کرتا تھا کہ ایسا نہو میرا ہم پیشہ کوئی مجھے زہر نہ دیدے اور یہ بات اس زمانہ میں کوئی بڑی نہ تھی۔ جبتک کوئی رئیس اعظم یا خود شاہ سرپرست نہ بن جائے جان کا خوف نہیں جا سکتا تھا۔

یہاں داؤد خاں حکومت کرتا تھا۔ یہ شخص اول نمبر کا عیش طلب اور راحت مزاج تھا۔ اس کا زمانہ اکثر لہو ولعب اور کھیل کود میں صرف ہوتا تھا۔ شب و روز ناچ گانا اور میخواری کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ بالکل مفصلہ ذیل اشعار پر عمل تھا قطعہ فرصت اگرت دست دہد مغتنم انگار + ساقی و مغنی و شرابے و سرودے + زنہار ازاں قوم نباشی کہ فریبند + حق را بسجودے و نبی را بدرودے +

جب تانسین وہاں پہنچا ہے اور اُس نے دربار سی چاہی بہت آسانی سے وہاں تک پہنچ گیا اور نوازشات خسروانہ امید سے زیادہ اُسپر کی گئیں۔ تانسین کو یہ غنیمت وقت ہوگیا کہ شاہ وقت میرا حامی بن گیا۔ اب یہاں اور بھی موسیقی کے اصول منجھنے لگے۔ اور رفتہ رفتہ یہانتک نوبت پہنچی کہ تجربہ کار زمانہ ہوگیا۔ داؤد خاں نے ایکدن سر دربار یہ کہدیا تھا کہ اگر میری سلطنت بھی چھین جائے جب بھی میں اپنے کو شاہان جہاں سے برتر سمجھونگا اگر تانسین میرے پہلو میں بیٹھا ہوا اور میں طبلہ

بجاتا ہوں وہ گاتا ہو۔ یہ باتیں سلطنت کے لئے زہر ہوتی ہیں۔
تانسین میں وہ قدرت ہو گئی تھی کہ آناً فاناً میں چاہے جسکو بیہوش کر دیا اور چاہے جس کو سکتہ میں کر دیا اُسکی آواز غضب کی پُر درد اور سُریلی تھی۔ جب یہ گاتا تھا از خود معلوم ہوتا تھا کہ بیجان چیزیں بھی وجد کر رہی ہیں۔ قدرتی آواز بلند اور اثر پیدا کرنے والی تھی۔ بڑے بڑے بنگالی گویے جو اپنے کو دنیا میں افضل سمجھتے تھے کان پکڑ کر تانسین کے آگے جھک گئے۔ اور ایک دن اُنہوں نے خود بادشاہ واہ واہ کے آگے کہدیا کہ پہلے ہم اپنے کو بہت کچھ سمجھتے تھے۔ لیکن اب معلوم ہوا کہ ہم بالکل جاہل ہیں اور ابھی ہمیں حاصل کرنے کے لئے اور بہت کچھ باقی ہے چلتے پانی کو ٹھیرا دینا اور اوڑتے پرند کو روک لینا یہ تانسین کا ادنی کرشمہ تھا۔ تانسین چونکہ علم موسیقی پر پورا حاوی تھا اس لئے اُسے دوسری طرف توجہ بھی نہ تھی۔ شب و روز اُسی میں غرق رہتا تھا اور ہر لمحہ اُسے یہی شغل تھا تاکہ وہ اپنے علم کو جانچ کرے اور سمجھے کہ کیا قصور رہگیا ہی اور آئندہ اسمیں کیا ترقی ہو سکتی ہے۔
اس کمال پر بھی تانسین اپنے کو مکمل نہ جانتا تھا اُسے ہر وقت یہی تک و دو رہتی تھی کہ میرا علم اور بڑھے اور کوئی ایسا کامل ماہر ملجائے کہ جس سے میں کامل ہوجاؤں۔ ایک دن اسی خیال میں جا رہا تھا۔
ہوادار پر سوار تھا ادھر اُدھر آٹھ دس سپاہی دوڑ رہے تھے کہ سامنے ایک فقیر روں روں کرتا ہوا دکھائی دیا۔ اُسکی روں روں سے تانسین پر یہ اثر کیا کہ ہوادار سے اُتر پڑا اپنے ساتھیوں اور سواروں کو رخصت کر دیا۔ اور آپ فقیر کے پاس جا کر ہو بیٹھا۔ فقیر اپنے خیال میں مست تھا اُسے یہ بھی نہیں معلوم ہوا کہ کون آیا ہی اور کون بیٹھا ہوا ہے۔
گھنٹہ بھر کامل محویت رہی جب محویت جاتی رہی تو اُس نے تانسین کی طرف منہ اُٹھا کر دیکھا اور مسکرا کر کہا آپ آج یہاں کیسے تشریف لائے شاہوں کے جلیسوں کو فقیر سے مقصد۔
تانسین علاوہ طباع ذہین ہونے کے خلیق بھی تھا اور اُسے فطری طور پر انکساری میں بہت غلو تھا۔ گڑگڑا کر تانسین عرض کرنے لگا حضور اصلی پادشاہ تو آپ ہیں کہ آپ کو کسی کی احتیاج نہیں ہے میں تو نیاز مند ہوں جسنے مجھ پر کرم کیا خواہ پادشاہ ہو خواہ فقیر میں تو اُسی کا خادم بنجاتا ہوں مصرعہ بندہ ام بندہ مہرباں را + رمز فہمان و نکتہ داں را۔ فقیر کو تانسین کی یہ شیریں زبانی پسند آئی وہ بہت مہربانی سے پیش آیا اور اُس نے چند انگور نکال کر دیئے اور کھانے کی صلاح کی۔

**تانسین** نے وہ انگور لیکر رکھ لئے اور کھانے میں تامل کیا۔ **فقیر** کو **تانسین** کا یہ تامل بُرا معلوم ہوا۔ اور اُس نے جلکر کہا کہ پیارے تانسین اس میں زہر نہیں ہے کچھ میں نے جادو نہیں کیا ہے جو تمہیں کھانے میں تامل ہوا۔

ناچار **تانسین** نے وہ انگور منہ میں ڈالے اور کہا کہ میں نے اس خیال سے تامل کیا کہ بجائے اسکے میں آپکی خدمت میں کچھ نذرانہ دوں اُلٹا آپ ہی کا کھالوں۔

**فقیر** خوش ہوکر نہیں نہیں۔ اسکا ہرگز تم خیال نہ کرو کچھ پرواہ نہیں خوب کھاؤ اور خوب پیو۔ پھر اُس فقیر نے ... جسکا نام **کچکول** تھا۔ انگوری شراب کا ایک جام **تانسین** کو بھر دیا۔ فقیر کی خاطر کچھ ایسی منظور تھی۔ تانسین نے وہ گلاس بھی چڑھائے۔ جب کچھ نشہ ہونے لگا تو اب مطلب کی گفتگو ہوئی

**کچکول**۔ تم نے موسیقی کا علم کس اُستاد سے سیکھا ہے۔ یہ سوال **فقیر** نے ذرا آمادگی سے کیا۔

**تانسین** یہ ہمارا آبائی علم ہے ہم کسی غیر کے شاگرد نہیں ہوئے۔ میں نے جو کچھ تھوڑا بہت پڑھا ہے اپنے باپ سے پڑھا ہے اور میرے باپ نے باپ سے اسی طرح تعلیم ہوتی چلی آئی ہے کسی غیر کے آگے زانو شاگردی سے کرکے نہیں بیٹھے۔

**کچکول**۔ بڑی خوشی کی بات ہے کہ آپکا خاندان کسی غیر کا شاگرد نہیں ہے۔ مگر یہ تم خوب سمجھ لینا کہ بغیر مختلف لوگوں سے کچھ حاصل نہیں کیا جاتا یہ محض ناممکن ہے کہ آدمی کامل بنے۔

**شعر**۔ تا بدکان وخانہ در گرو ہی + ہرگز اے خام آدمی نشوی + اگر تم مکمل ہونا چاہتے ہو تو اپنے اس پرانے ... اور ... رسم کو بالائے طاق رکھو۔ اور جہاں سے جو کچھ حاصل ہوسکے۔ یہ بڑی حماقت ہے کہ ایک ہی کوئیں سے خواہ وہ کھاری ہو پانی پیتا ہے اور مختلف شیریں چشموں کی طرف توجہ نہ کرے۔

**تانسین**۔ اسی خیال سے میں حضور کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ اگر کچھ آپ سے فیض حاصل ہو سکے تو ... میری خوش قسمتی اور کیا ہوسکتی ہے۔ یہ سُنتے ہی فقیر چونکا اور اپنی نشہ ... گردش دیکر کہنے لگا کہ میں نے تو موسیقی کا نام بھی نہیں سُنا بابا میں اِ ... اس دنیا میں سوائے تھوڑا سا کھانا کھالینے اور شراب پی لینے ... کوئی چیز کبھی حاصل کی اور نہ حاصل کرنیکی آرزو ہے۔

تانسین ایک ہوشیار اور کائیاں شخص تھا وہ سمجھ گیا کہ فقیر کی اس منفی گفتگو میں بھی اثبات کی تہ دی ہوئی ہے۔ یہ جان کر اپنے علم کو چھپاتا ہے اسوقت معاً اُس نے کچھ اصرار نہ کیا بلکہ ایک آدھ قدح شراب کا اور بھی چڑھانے دیا۔ جب فقیر نشہ میں مست ہوگیا اُس نے اپنی ہیجو دی اور مستی کی حالت میں مفصلۂ ذیل اشعار گائے۔

عاشق آنست کہ بترک م... | نقد جاں را بدلستاں بخشد | عاشق آں نیست کہ بیوی وصل
دستہ نبددبہ دشمناں بخشد | دو جہاں را دو شاخ گل دانند | ہر چہ ہست است رائیگاں بخشد

اس گانے نے تانسین کو پورے طور سے آگاہ کر دیا کہ کجکول اعلیٰ درجہ کا موسیقی داں ہے اور اس سے ضرور کچھ نہ کچھ حاصل کرنا چاہیئے۔ تانسین یہ سوچ ہی رہا تھا کہ یکایک فقیر نے ایک قدح شراب دیکر کہا پیارے کچھ اپنا گانا نہیں سناتے۔ تانسین نے ذرا بھی عذر نہ کیا اور فوراً گانے لگا۔ کجکول نے گانا سنکر سر ہلایا اور کہا کہ ابھی تم میں بہت کچھ خامی ہے۔ فلاں فلاں کُن موسیقی تمہارا ٹھیک نہیں ہے۔ فلاں شعر جو تمنے پڑھا اُس میں موسیقی کا فلاں اصول ادا نہیں ہوا جلال الدین خسروانی نے اسکی کیفیت اپنی کتاب تاریخ الدول میں پورے طور سے لکھی ہے جس کا اختصار درج کرتے ہیں۔

کجکول سے تانسین نے غرض اُن اصول کو سیکھا جو اُسے نہ آتے تھے اور اپنی اُس خامی میں پختہ ہوا کہ جسکی اُسے خبر نہ تھی۔ ایک برس کامل فقیر کی خدمت میں اپنا اکثر وقت صرف کیا اور جو کچھ فقیر کو آتا تھا سب حاصل کر لیا۔

ادھر بنگال میں فتور پڑا اور اکبر نے چڑھائی کی۔ داؤد خاں ادھر اُدھر بھاگا بھاگا پھرا کئی مقام پر تو داؤد خاں کے ساتھ تانسین بھی مارا مارا پھرا۔ لیکن جب اُس نے سوائے گردش اور مختلف تکالیف کے کچھ نہ دیکھا تو مجبور پھر آگرہ کی طرف رخ کیا۔ یہاں اکبری دربار بڑی شان و شوکت پر تھا۔ آگرہ میں آتے ہی چند روز میں اکبر کے دربار میں باریابی ہوئی۔ چونکہ یہ اپنے فن میں کامل ہوگیا تھا اکبر کو اسکی صحبت اچھی معلوم ہوئی زینخاں۔ اکبر کا کوکا اور تانسین کی خوب بنتی تھی جیسا کہ مختصر طور پر زینخاں کے حالات میں لکھا گیا۔

تانسین کے حالات پورے طور پر مسٹر اسٹوارٹ ہیلی نے تحریر کئے ہیں اور وہ یہی بیان ہے،

جو ہم نے درج کئے ہیں۔ مگر جو باتیں کہ قابل نوٹ ہیں وہ ہم مسٹر اسٹوارٹ کی کتاب سے درج کرتے ہیں تاکہ ناظرین کو اور بھی دلچسپی حاصل کرنے کا موقع ملے۔

جو کچھ ہم اوپر لکھ آئے ہیں یہ **جلال الدین شروانی** کی کتاب سے نقل کیا ہی اور جو کچھ اب لکھتے ہیں یہ ایک محقق فرانسیسی مسٹر اسٹوارٹ بیلی کی کتاب سے لکھا جاتا ہی۔ دیہو ہذا۔

**تانسین** کا درجہ اُن لوگوں میں کیا جاسکتا ہی کہ جو موسیقی میں نامی گزر گئے یا اُسکے زمانہ میں روم واطالیہ میں تھے اسکا ہمعصر جو روم میں رہتا تھا اُسکا نام **انگلیلا** تھا۔ ہندوستان میں **تانسین** اور روم میں **انگلیلا** اپنی شہرت اور ناموری کا ڈنکا بجارہے تھے۔ **تانسین** سے بہتر اسوقت ہندوستان میں کوئی نہ تھا۔ کیونکہ یہ معمولی گویوں کی طرح سے صرف اپنی آں آں اور بلند آوازی پر نازنہ کرتا تھا بلکہ اُسے اپنے عالم ہونے پر فخر تھا۔ اُسکو دعویٰ تھا کہ چاہے مجلس کو مارے ہنسی کے لٹا دوں اور چاہے رولا رولا کر مار ڈالوں۔ چاہے ہوشیار کردوں اور چاہی سلادوں دوباجے اُس کے پاس تھے۔ جن کو یہ کہا کرتا تھا کہ یہ میں نے خود بنائے ہیں یہ کہا نہیں جاسکتا کہ یہ بات کہانتک درست ہی لیکن ہاں اسقدر کہہ سکتے ہیں کہ ایسے سلانے جگانے ہنسانے رولانے کے چار باجے حکیم فارابی معلم ثانی نے ایجاد کئے تھے۔ اب یہ رائے قایم نہیں ہوسکتی کہ آیا یہ **تانسینی** باجے اُن ہی کی نقل ہی یا اُس نے خود ایجاد کئے تھے۔

بہرحال اسقدر ہم آزادانہ اپنی رائے قایم کرسکتے ہیں کہ یہ بہت بڑا موسیقی داں تھا اور اپنے وقت کا داؤد خوش الحان اگر اسکو کہیں تو بیجا نہیں ہے۔ زمانہ کبھی اسکی نیک نامی اور شہرت کی نقوش اپنی پیشانی سے نہیں مٹا سکتا **شعر** وہ قایم ہے جبتک کہ دنیا ہے قایم + وہ دایم ہے جبتک کہ دنیا ہے دایم + بڑے اعجاز کی بات **تانسین** میں یہ تھی جس سے وہ تمام جہان میں نیکنام تھا۔ اور **اکبری** دربار میں محبت اور اُلفت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا۔ اور جس سے سوائے چند متعصب ہم پیشہ لوگوں کے اور کوئی اسکا دشمن نہ تھا۔ کیونکہ وہ دریا دلی اور کشادہ طبیعت سے جو کوئی موسیقی کے اصول سیکھنا چاہتا تھا۔ بہت غور سے سکھا دیتا اور ضبط کرادیتا تھا۔ یہانتک مسٹر اسٹوارٹ بیلی کی کتاب کا ترجمہ کیا گیا اب آگے **لین پول** کی کتاب ایشیاٹک ریسرچ سے جو باتیں منتخب کیا جاتا ہے جو قابل دید ہی۔ جب **تانسین** اکبر کے دربار میں آیا ہے تو اکبر نے پہلا سوال

یہ کیا کہ موسیقی کا نتیجہ کیا ہے اور اس میں وقت صرف کرنے سے کیا فائدہ ہے۔ تم نے اتنی عمر صرف کر کے کیا حاصل کیا۔ **تانسین** نے دست بستہ عرض کیا حضور پہلے دو سوالوں کا جواب دینے میں مجھے تامل کرنا پڑیگا۔ مگر آخری سوال کا جواب کہ تو نے اتنی عمر صرف کر کے کیا حاصل کیا یہ ہے کہ میں نے اتنی عمر صرف کر کے حضور کی درگاہ معلی میں حاضر ہو کر شرف ملازمت بندگان عالی حاصل کی۔

یہ جواب **اکبر** کو بہت اچھا معلوم ہوا پہلے **تانسین** کی معمولی تنخواہ مقرر ہوئی لیکن رفتہ رفتہ **تانسین** صرف اپنی قابلیت سے **اکبر** کی ناک کا بال ہو گیا۔ جنگ میں بھی **اکبر** کے ہمرکاب رہتا تھا اور وقت بیوقت اپنے گانے سے **اکبر** اور کل دربار کا دل خوش رکھتا تھا۔

ایک کتاب جس میں **تانسین** نے اپنے تجربہ اور گانے وغیرہ کی ترکیبیں لکھی ہیں اب تک مشہور انام ہے صرف وہ ہی کتاب ہے جس سے صدہا کتابیں بن گئیں اور لوگوں نے موسیقی میں بہت کچھ ترقی کی۔ اکبر کے دربار میں ایک **تانسین** ہی نہیں تھا۔ بلکہ بیسیوں اور بھی گویئے تھے سب سے زیادہ **زنیجاں** ہی تھا جس کو موسیقی میں پورا کمال حاصل تھا مگر وہ بھی **تانسین** کے آگے کان پکڑتا تھا۔ قصہ مختصر یہ کہ **تانسین** اپنے وقت کا سینا تھا بلکہ سینا سے بھی بڑھا ہوا تھا۔ کیونکہ سینا کی آواز اچھی نہ تھی اور یہ خوش آواز بہت تھا۔

ایک مورخ نے اسکو **پیغمبر گویان** لکھا ہے۔ یہ بات کسی قدر صحیح معلوم ہوتی ہے کیونکہ تمام ہندوستان میں یہ قاعدہ ہے کہ قوال یا گویا جب علم موسیقی کی الف بے تے شروع کرتا ہے تو **تانسین** کی نیاز دلوائی جاتی ہے۔ بغیر **تانسین** کی نیاز کے کیا ممکن ہے کہ کوئی قوال یا گویا موسیقی سے کچھ حاصل کر سکے **تانسین** اکثر دریا یا نہر کے کنارہ پر بیٹھ کر اپنے گانے کی مشق کیا کرتا تھا۔ کہتے ہیں کہ جس وقت وہ بیٹھ کر گاتا تھا تو مچھلیاں کثرت سے کنارہ پر جمع ہو جاتی تھیں۔ اسکی تصدیق اور تکذیب کے لئے ہمارے پاس کوئی شہادت نہیں ہے لیکن ہاں ہم اسقدر کہہ سکتے ہیں کہ **تانسین** کی آواز پر جب نسان رقص کرنے لگتا تھا تو جانوروں کا محو ہو جانا شاید چنداں تعجب کی بات نہو خیر ہمیں اس سے کچھ بحث نہیں جس کسی کو علم موسیقی اور سانگس سے کچھ مذاق ہو۔ وہ سمجھ سکتا ہے کہ جوگی کی پونگی کی ناموزوں اور بھدی آواز پر کالا ناگ کسطرح رقص کرنے لگتا ہے۔ اور کیسا محو ہو جاتا ہے کہ بار بار پونگی پر اپنا پھن دے دے مارتا ہے۔ پھر اگر **تانسین** کے گانے پر مچھلیاں جمع ہو جاتی ہوں تو

کچھ تعجب کی بات نہیں۔
احمد شاہ گجراتی نے بڑی دلچسپ کیفیت وہاں کے گویوں کی لکھی ہے وہ لکھتا ہے کہ جتنے گویّے کہ گجرات کے شہروں میں بستے ہیں۔ اُن سب کا یہ عقیدہ ہے کہ جب تک ہم تانسین کی توجہ اپنے اوپر مائل نہ کریں گے اور اُن کو بھوگ نہ دیں گے کبھی ہماری زبان نہیں کھلیگی آواز میں کچھ فرق ہو اور اُس نے تانسین کی نیاز دلوائی چلّا کھینچا کہ کسی طرح میری آواز کھلجائے بعض ہندو گویوں کے ہاں اُسکی تصویر بھی موجود رہے اور وہ اُسکی پرستش کرتے ہیں اور کثرت سے شیرینی وغیرہ چڑھاتے ہیں۔ سجدے کرتے ہیں۔ اور جب کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو اُسکی تصویر کے پیروں پر ڈالدیتے ہیں۔
تانسین نے یہ کمال اپنی انکساری کی وجہ سے حاصل کیا تھا۔ جہاں اُس نے سنا کہ کوئی موسیقی کا ماہر آیا ہے وہ سیدھا اُسکے مکان پر گیا کچھ اپنے علم کی بانگی دکھائی اور کچھ اُسکی بانگی دیکھی کچھ سکھایا۔ کچھ اُس سے خود حاصل کیا۔ نہ کبھی بخل کیا اور نہ کبھی کسی سے کچھ سیکھنے میں شرم کی۔ اسی کی نیک عادتیں انسان کے لئے نیک پھل پیدا کرتی ہیں۔
تانسین کو علاوہ مذاق موسیقی کے اور علوم میں بھی کسی قدر دخل تھا۔ زبانیں کئی بول لیتا تھا اور ہر زبان کے اکثر اشعار اُسے برزبان تھے۔ اکبر کا جس زبان میں دل چاہتا تھا تانسین سے گانا سنتا تھا۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ دربار ہو رہا تھا یعنے اس دربار سے دربار عام مراد نہیں ہے بلکہ دربار خاص مقصد ہے اور یہ دربار بھی گویا گانے بجانے کا تھا اکبر کے اشارہ سے زینخاں نے کہا کہ تانسین جب جانیں کہ آج تم ہمسے اپنے گانے پر واہ واہ کرادو۔
تانسین نے دست بستہ عرض کی کہ یہ کونسی بات ہے زین خان اگر تم اپنا منہ بھی باندھ لو جب بھی بند منہ سے ہی واہ واہ کی صدا نہ نکلے تو آج سے میں گانا چھوڑ دوں گا۔ جتنے لوگ اس مجلس میں شریک تھے اُنہوں نے اپنے دل کو خوب مضبوط کر لیا۔ کہ تانسین کے گانے پر ~~بھی~~ واہ واہ نہ کریں گے۔
مگر یہ ساری باتیں نقش بر آب ہوگئیں اور وہ استوار عہد کچھ نہ رہے۔ جب تانسین کی موسیقی

خیز آواز:۔ بلند پروازی کی یکایک پہلے زنیخاں ہی کے منہ سے نکلا واہ اُستاد کیا کہنے
یہ باتیں تانسین کے کمال کے ادنیٰ کرشمے تھے وہ اس سے بھی زیادہ اپنے گانے سے مشاہدے
کرا سکتا تھا"۔

جلال الدین شروانی نے ایک واقعہ نقل کیا ہے جو جسقدر حیرت انگیز ہے اُسیقدر
دلچسپ ہے۔ اسلیئے ہم درج ذیل کرتے ہیں۔

مجلس عیش و نشاط گرم تھی۔ تانسین و زنیخان وغیرہ بیٹھے ہوئے تھے ملا عبد القادر اور
راجہ بیربل بھی حاضر خدمت تھے۔ اِدھر اُدھر کے فنون پر بحث ہو رہی تھی کبھی کبھی اکبر
بھی کچھ کہنے لگتا تھا۔ اور اُسپر رائے زنی کرتا اسی اثنا میں بیربل نے یہ کہا کہ دیپک کی بڑی
تعریف سنی ہے۔ لیکن ہم نے کبھی کسی کو آگ لگاتے نہیں دیکھا دو باتیں ہیں کیا تو یہ اصول
ہی غلط ہے یا اُس کا جاننے والا کوئی نہیں ہے۔

یہ سنکر سب تانسین کی طرف دیکھنے لگے لیکن اکبر کی نیچی نگاہیں تھیں۔ تانسین یہ رستہ
دیکھ رہا تھا کہ اگر اکبر آنکھ اوٹھا کر دیکھے تو میں کچھ عرض کروں۔ اکبر نے دو تین منٹ تک خیال
کرکے کہا کہ اصول تو غلط نہیں معلوم ہوتا۔ یہ دوسری بات ہے کہ کوئی جاننے والا نہو۔
اصول کبھی غلط نہیں ہو سکتا۔

اسکے بعد اکبر کی نیچی نظریں اونچی ہوئیں اور تانسین سے لڑنے لگیں تانسین دست بستہ
آگے بڑھا اور اُس نے یہ التماس کیا جو کچھ حضور نے ارشاد کیا ہی عین صواب ہے اُسمیں
سرِ مو تفاوت نہیں ہے۔ یہ اصول دیپک غلط نہیں ہے نہ اُسکو کوئی غلط کہہ سکتا ہے۔ ہاں
اسکا جاننے والا اِسکی بابت میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔

اکبر۔ پُر شوق لہجہ میں اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں یہ گانا آتا ہے۔

تانسین۔ حضور کی توجہ و فضل و کرم سے۔ یہ سنتے ہی سب کی نظریں تانسین پر
پڑنے لگیں اور بیربل متعجب ہو کر تکنے لگا۔ تانسین بھی اُنکو متعجب نظروں سے دیکھ
رہا تھا۔ جو اُسکی طرف پڑ رہی تھیں۔

قصہ مختصر یہ کہ ایک دن تانسین کے دیپک گانے کے لئے مقرر ہوا۔ اور یہ کیفیت دریافت

دریائے جمن کے کنارہ پر ٹھہری۔ اُسوقت بھی خاص خاص آدمی موجود تھے پھر بھی کوئی دو ہزار آدمیوں کا مجمع ہو گیا تھا۔

**تانسین** نے ناف تک پانی میں کھڑا ہو کر گانا شروع کیا۔ چند لمحہ کے بعد پانی میں شعلے نکلنے لگے۔ جب وہ شعلے بلند ہوئے اور پانی تیل کی طرح پکنے لگا تو **اکبر** نے براہ دور اندیشی **تانسین** کو روک دیا کہ کہیں سارا دریا نہ بھڑک اُٹھے۔ یہ شعلہ زبانی اگر **اکبر** نہ روکتا تو خبر نہیں کیا کیا رنگ لاتی اور کہاں کہاں آگ لگاتی۔

اسی قسم کی بہت سی باتیں **تانسین** کے بیان میں لکھی گئی ہیں۔ ہم نے جو کچھ لکھا ہے ہمیں وہ ہی کافی معلوم ہوتا ہے اسلئے زیادہ طول طویل مضمون کے درج کرنے کی ضرورت نہیں ہے صرف آخر میں اسقدر لکھنا کافی ہے کہ یہ خلیق مخیر اول درجہ کا تھا۔ چار بیٹے۔ مختلف بیویوں سے اسکے ہوئے۔ لیکن سوائے ایک بیٹے کے جس کا نام حشمت تھا اور تینوں بیٹے پڑھ لکھکر مولوی بن گئے۔

**تانسین** کا انتقال ۱۵۹۵ء میں ہوا **تانسین** آگرہ ہی میں مدفون تھا۔ لیکن ۱۸۵۷ء کے غدر میں اُسکی قبر کسی نے اُکھیڑ کر پھینکدی بعض کہتے ہیں کہ **تانسین** کا کشمیر میں انتقال ہوا تھا۔ بعض لاہور میں بتاتے ہیں۔ خیر کہیں انتقال ہوا ہو یہ بات قابل نوٹ ہے کہ اُسکی شہرت قیامت تک رہیگی۔

# اکبر کا نوان رتن

## حکیم ابوالفتح گیلانی

**حکیم۔ ابوالفتح** کا اصلی نام **مسیح الدین** اور اُس کے باپ کا نام **مولانا عبدالرزاق** تھا یہ دراصل گیلان کے رہنے والے تھے **ابوالفتح** کا سگا بھائی **حکیم ہمام** اور سوتیلا بھائی **عبدالقادر** پرائیوٹ سکرٹیری **اکبر** تھا۔ **مولانا ابوالفتح** فاضل اجل و عالم متبحر تھا۔ اُس کی تعلیم اور لیاقت کا شہرہ **اکبری** عصر میں تمام ہندوستان میں ہو رہا تھا **حکیم ابوالفتح** کے

حالات نہایت وسیع اور طول طویل ہے مگر ہم نہایت اختصار سے کچھ دلچسپ حالات درج کرتے ہیں
حالات شروع کرنے سے پہلے اسقدر لکھنا اور بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حکیم ہمام کا وہ عہدہ نہ تھا
کہ جو ابوالفتح کو ملا تھا۔ بعض ناواقفوں نے حکیم ہمام کو بھی اکبر کے نورتنوں میں شریک
کردیا ہے اسلئے اطلاع ناظرین کے لیے یہ ضروری ہے کہ حکیم ہمام کو وہ اقتدار حاصل نہ تھا کہ
جس سے وہ نورتن میں ایک رتن شمار کیے جانے کے قابل ہوتا۔
حکیم ابوالفتح نے چھوٹی عمر میں تمام نظری اور عملی علوم تحصیل کرلئے تھے۔ اکبر کے ہاں کسی شخص
نے کبھی ایکدفعہ میں عالیشان رتبہ حاصل نہ کیا جتنے بڑے بڑے عہدہ دار تھے سب چھوٹے
چھوٹے عہدوں سے بڑے عہدوں پر ممتاز ہوئے تھے جیساکہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔
ہر سیول آفیسر جیسے کمشنر ڈپٹی کمشنر یا گورنر و لیفٹننٹ گورنر سب معمولی ادنے جنگی عہدوں سے
ترقی پاپاکر بڑے بڑے عہدوں پر ممتاز ہوگئے تھے۔
حکیم ابوالفتح بھی پہلے جنگی دفتر میں صرف ساٹھ روپیہ کا نوکر ہوا۔ اپنی محنت اور مشقت سے یہانتک
ترقی کی کہ یکایک دہلی کا نایب گورنر ہوگیا۔ ابوالفتح کی اس اعجوبہ ترقی پر ایک دنبہ گیا سلیئے
دشمن از خود پیدا ہوگئے اور چاروں طرف سے پوشیدہ عرضیاں نئے نئے بہتان و الزامات
کی اکبر کے دربار میں گذرنے لگیں۔
اکبر ایک روشن دماغ اور عاقل بادشاہ تھا سمجھ گیا کہ اس عہدہ سے لوگ جلنے لگے ہیں۔ اس نے
بناوٹی عرضیوں پر ذرا بھی توجہ نہ کی۔ ابوالفتح نے چندروز میں وہ نمایاں کارگزاریاں کیں کہ
چندروز کے لئے گجرات کی مہم پر بھیجدیا گیا۔ گجرات پر جانا ابوالفتح کے حق میں اکسیر ہوگیا۔ ایک
سچے اور خیرخواہ خادم کی وہ دلپسند باتیں کہ جو ایک آقا کو خوش کرسکتے ہیں وہ ابوالفتح سے ظہور
میں آئیں۔ جنگ میں بھی نمایاں شجاعت کے کام اور ان پولیٹیکل معاملات کو سلجھایا جو الجھکر ہرگز نہیں
سلجھتے۔ گجرات کی فتح میں چونکہ ابوالفتح کا زیادہ حصہ تھا اسلئے خطاب ہزاری عطا ہوا تنخواہ
میں بھی معقول اضافہ ہوا۔ یوں ہی رفتہ رفتہ ترقی کرکے ابوالفتح پنجہزاری کے عہدہ پر پہنچا
پھر اکبر کا مصاحب خاص بن گیا۔
اکبر اپنے نورتنوں کو اُس عزت سے یاد کرتا تھا کہ جیسی اُنکی لیاقت ہوتی تھی۔ چنانچہ اُس نے جہانتک

تہ موا۔ تعزیت حکیم ہمام کے نام ابوالفتح کے انتقال پر لکھا ہے اُسمیں مفصلۂ ذیل الفاظ استعمال کئے ہیں۔ وہو ہذا موا کب عالی در حوالی دستور تا باحسن ابدال رسیدہ بود کہ بتاریخ روز مراد ابو ہفتم شہریور ماہ آلہی سنہ سی چہار موافق شب پنجشنبہ نوزدہم شہر شوال سنہ نہصد و نود ہفت سجب سرنوشت ازلی حکیم نامی مخلص گرامی قدوہ محرمان اسرار زندہ ہمنفساں حقیقت گزار دقیقہ شناس حقایق معانی حدیقہ پیرائے بہارستان نکتہ دانی نمک ریز مجلس انس ساقی بزمگاہ قدس مطالب دوام آگہی محو رضائے پادشاہی بیدار دل شبستان ضمائر ہشیار مغز انجمن سرائر مستشار دولت ابد مقرون موتمن سلطنت روز افزوں متقرب الحضرت سلطانی حکیم ابوالفتح گیلانی ازیں سرائے فانی و تنگنائے ظلمانی بمرض اسہال ارتحال نمود حسرت فراواں از فراق صوری خود در دل اقدس گذاشت ہرچند ہیکل عنصری و قالب خاکی او از نظر غائب شدہ اما شمائل روحانی و لطائف ذاتی بہ خجستہ تریں صورتے پیش دید خاطر حاضرست "

اس سے ہر شخص سمجھ سکتاہے کہ حکیم ابوالفتح کی کیا قدرو منزلت اکبر کے دربار میں تھی اور وہ اُسے کیسا پیارا تھا۔ ابوالفتح کا حکیم خطاب حکمت کی رو سے ملا تھا نہ کہ طبیب ہونیکی وجہ سے حکیم کے معنی انگریزی میں ڈاکٹر کے ہیں۔ جو شخص تمام علوم پر قادر ہو اُسے حکیم کہتے ہیں۔ شیخ بوعلی سینا صرف ایک عیب کی وجہ سے حکیم نہیں کہلاتا اور وہ عیب یہ تھا کہ گانے میں اُسکی آواز اچھی نہیں تھی۔ گو یہ عیب فطری عیب تھا جو بظاہر علاج سے نہیں جا سکتا مگر پھر بھی لوگ اُسے حکیم نہیں کہتے۔ اس سے ثابت ہوا کہ حکیم کو اطلاق صرف اُس ہی شخص پر ہو سکتا ہی کہ جو تمام علوم فنون ہو۔ حکیم ابوالفتح کی علمی قابلیت اعلیٰ درجہ پر بڑھی ہوئی تھی تمام علمی کتابیں اُسے ازبر تھیں۔ وہ بھی مذہبی مباحثہ میں شریک ہوتا تھا۔ مگر کٹا مسلمان تھا۔

ابوالفضل اور فیضی سے ابوالفتح کی دوستی تھی۔ مگر مذہبی پہلو دونو کا کبھی ٹھیک نہ بیٹھتا تھا۔ حکیم موصوف بہت بڑا مخیر اور مہمان نواز تھا۔ ہاسپیٹیلیٹی یا مہمانداری کی ابوالفتح کی دھوم دھام ملک ہند میں مچی ہی تھی جتنے پردیسی مسافر آتے وہ زیادہ تر ابوالفتح ہی کے ہاں قیام کرتے تھے۔ عرفی شاعر بھی حکیم ابوالفتح کے ہاں آکر قیام پذیر ہوا تھا۔ مشہور ہے کہ جب عرفی آگرہ میں داخل ہوا ہے اُسکی بُری حالت تھی کیونکہ نہایت بے سرو سامانی

کی حالت میں شیراز سے ہندوستان کی طرف رخ کیا تھا۔ اکبر کے دربار کی جاہ و جلال کی شوکت اور قدر کی آوازیں ایرانیوں کے کانوں میں گونج رہی تھیں اور وہ بہت شوق سے اپنا رخ سیدھا اکبر کی طرف کرتے تھے۔

جب **عرفی** آگرہ میں آیا ہے تو اُسے یہ دقت ہوئی کہ کونسا وسیلہ پیدا کروں کہ میری معیشت کی کوئی صورت نکلے اور مجھے دربار سے حاصل ہوئے۔ اِدھر اُدھر ملکر دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ **حکیم ابوالفتح** یہاں بڑا مہماں نواز خلیق ہے۔ وہاں جانے سے دلی اُمید بر آئیگی۔

**عرفی** اُسی زدہ حالت میں ابوالفتح کے پاس آیا اور ایک قصیدہ مدحیہ پیش کیا جس کے چند اشعار حسب ذیل ہیں۔

صبحدم کز دریچہ ادراک نگرستم بساحت افلاک شاہد طبع خویشتن دیدم رستہ از قید آب و آتش خاک

بہ چند تمہید یہ اشعار لکھکر تعریف لکھی جو مبالغہ اور لغو سے پُر ہے۔ جس کے چند اشعار حسب ذیل ہیں۔

داور اعرفی از ثنائے تو رفت از تفلیقش بہلک برواج سماک معنی از کلک او رجہاں بارو
کہ سوانح ز گردش افلاک زند دوراں بحر غوطہ کز آتش بو الفرح راننشد گلو نمناک
بدعا میرود کنوں کہ دہد خصم را زہر دوست را تریاک ناتواں گفت زسر اراں قاص
ناتواں گفت غنچہ را ضحاک رقص عیش تو یاد گردش چرخ گور خصم تو بادہ خندہ خاک

بڑی خاطر داری سے **ابوالفتح** نے **عرفی** کو اپنے ہاں اُتارا۔ جب کئی دن **عرفی** کو آئے ہوئے گذر گئے۔ تو ایک دن حکیم موصوف سے کہنے لگا۔ افسوس ہے کہ جسکی آرزو کے لئے میں یہاں آیا تھا۔ وہ پوری ہوتی نہیں معلوم ہوتی۔

**حکیم ابوالفتح** نے کہا یہاں اکبر کے دربار میں سُخن کی قدر نہیں ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ **اکبر** اُن ہی علما اور فضلا کے اشعار پسند کرتا ہے کہ جو اُسکے وزرا ہیں۔ یہ محض ناممکن ہے کہ میں تمہیں براہ راست اکبر کے دربار میں لیجاؤں۔ پہلے تم امرا سے ملکر کچھ تعارف حاصل کرو اور **جہانگیر** کے دربار کی حاضری سے مشرف ہو تو اُسکے بعد پھر ممکن ہوا تو اکبر کا سلام ہو جائیگا **ابوالفتح** نے پہلے **خانخاناں** سے ملوایا اور پھر **فیضی** اور **ابوالفضل** سے تعارف حاصل کیا اور بعد ازاں بڑی مدت کے بعد اُسے دوچار بار اکبر کے دربار میں حاضر ہونیکا موقع مل گیا تھا۔ یہ **ابوالفتح**